مشہور دیوبندی مصنف مولوی سرفراز خان صفدر گکھڑوی کی ان کے
حسب زعم سب سے مایہ ناز کتاب راہِ سُنّت کا مکمل رد بلیغ
اور نہایت علمی تحقیقی متین مسکت اور ترکی بہ ترکی جواب

مِصباحِ سُنّت

جلد دوم

از قلم

محقق العصر مناظر اہلسنت

حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمجید خان سعیدی رضوی

ناشر

قادریہ پبلشرز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ جل جلالہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ

البرهان القاطع
فی الردّ
علی المنهاج الواضح

المعروف به

مصباح سنت

بہ جواب

راہ سنت

''جس میں مولوی سرفراز خان صفدر گکھڑوی کی کتاب راہ سنت کا مکمل رد بلیغ کر کے کلیہ بدعت وغیرہا میں ان کی بے شمار علمی ٹھوکروں کی نشاندہی کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہلسنت وجماعت پر ان کا بدعتی ہونے کا الزام ان کا محض بلا دلیل دعویٰ ہے جس کے ثابت کرنے میں وہ کلی طور پر ناکام رہے ہیں نیز یہ کہ اس کے اصل ملزم وہ خود ہی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر بیسوں علمی مباحث بھی اس میں آگئے ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں''

از قلم

محقق وقت مناظر اہلسنت

مفتی محمد عبدالمجید خاں صاحب سعیدی رضوی

صدر مدرس و مہتمم دار العلوم جامعہ سعیدیہ و جامعہ غوث اعظم رحیم یار خان

ناشر

قادریہ پبلشرز
کراچی

کاظمی کتب خانہ
رحیم یار خان

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

اس کتاب کے جملہ محاصل مدرسہ قادریہ کے تحقیقی نشر و اشاعت و تبلیغی مصارف کیلئے وقف ہیں

کتاب : مصباح سنت

مصنف : محقق العصر علامہ مفتی عبدالمجید خاں سعیدی رضوی

طباعت اول : ۲۰۰۴ء

ہدیہ : ۱۱۵

نوٹ: تصحیح کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے پھر بھی اغلاطِ کتابت سامنے آئے تو مطلع فرمائیں (ادارہ)

مراکز ترسیل

☆ ضیاء الدین پبلی کیشنز، نزد شہید مسجد، کھارادر، کراچی، فون 2203464

☆ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، محلہ فرقان آباد، کراچی، فون 4910584

☆ کاظمی کتب خانہ، عقب جامعہ غوث اعظم داتا گنج بخش روڈ رحیم یار خان، فون 0731-71361

☆ سادات پبلی کیشنز، (پروگریسو بکس) اردو بازار، لاہور، فون 042-7352795

☆ مکتبہ زاویہ، ۱۰ امرکز الاویس (ستا ہوٹل) دربار مارکیٹ، لاہور، فون 042-7113553

☆ مکتبہ اہلسنّت، برائٹ کارنر، نزد چاندی چوک، کراچی

☆ مکتبہ رضویہ، گاڑی کھاتہ، آرام باغ، کراچی

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر اردو بازار، کراچی، فون 2210212

قادریہ پبلشرز

5/A کارا بھائی کریم جی روڈ، نیا آباد، کراچی 7529937

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات کتاب ھذا

(تمّ الجزء الثانی ویلیه الجزء الثالث انشاء الله المالک)

تقریظ جمیل

فاتح رفض وخروج، مناظر اعظم، استاذ العلماء شیخ القرآن، عاشق مدینہ پیر طریقت

حضرت علامہ مولانا **محمد منظور احمد** صاحب فیضی دامت فیوضہم

بانی ومہتمم جامعہ فیضیہ رضویہ و جامعہ فیض الاسلام احمد پور شرقیہ،

حال شیخ الحدیث جامعہ المدینہ گلستان جوہر کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم واله وصحبه اجمعین

عزیز محترم فاضل محتشم مولانا علامہ مفتی عبد المجید خان سعیدی رضوی بارک اللہ تعالیٰ فی تحریرہ وتدریسہ وتقریرہ کی کتاب ''مصباح سنت بجواب راہ سنت'' کی دوسری جلد کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا اللہ تعالیٰ بطفیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''مصباح سنت'' کی روشنی سے مطالعہ کرنے والوں کو مستفیض فرمائے اور دل روشن کرے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

والسلام

فقیر محمد منظور احمد فیضی غفرلہ وعفی عنہ

یکم جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

تقریظ منیف

سراپا تقویٰ وطہارت، جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول مناظر اسلام

استاذ العلماء حضرت قبلہ **محمد اقبال** صاحب سعیدی رضوی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز حضرت غزالی زماں، استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله وصحبه اجمعين ونشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله الذى ما ترك شيئا يكون الى قيام الساعة من الحوادث الكونية الا بينها ولا شيئا يكون الى قيام الساعة من امور الشريعة الا بينها صلى الله عليه وعلى اله واصحابه اجمعين

فقیر نے عزیز القدر مولانا مفتی عبد المجید صاحب سعیدی کی کتاب ''مصباح سنت بجواب راہ سنت'' کے بعض مقامات کا مطالعہ کیا جو اہل سنت کے مخالفین کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ دراصل مسئلہ بدعت پر اہل بدعت نے اہل سنت کے خلاف اس قدر شور مچایا ہے کہ کم علم لوگ اہل سنت کو اہل بدعت اور اہل بدعت کو اہل سنت سمجھنے لگے۔ پروپیگنڈہ باز سیاست کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ جھوٹ کو اتنی بار بولو کہ سچ نظر آنے لگے اور اسی طرز عمل کو اپنا کر وہ لوگ اپنے آپ کو اہل سنت کہنے لگے ہیں اور ہمیں بدعتی۔ اور اصل معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لئے کہ یوں تو وہ بہت کچھ کہتے ہیں لیکن جب ان کو بدعت کی تعریف کے لئے بلایا جائے تو اس

کی کوئی جامع مانع ایسی تعریف نہیں کر پاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو کیونکہ اگر وہ تعریف رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تو پھر وہ تعریف خود انہیں حضرات کے نکتہ نظر کے پیش نظر بدعت قرار پاتی ہے کیونکہ بدعت کی ایک تعریف وہ یہ کرتے ہیں کہ بدعت وہ کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو لیکن مذکورہ بالا ان الفاظ سے تعریف کرنا بھی ایک کام ہے کیا یہ کام رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو اس کے بارے میں مستند حوالہ صحیح حدیث سے درکار ہے جو وہ آج تک نہیں لا سکتے۔ دراصل بدعت کی اصل تعریف وہ ہے جو رسول ﷺ کے ان کلمات کریمہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان کل محدثة بدعة (مشکوٰۃ ص ۳۰) یعنی ہر محدث بدعت ہے۔

پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ محدث کیا ہے؟ تو اسکے بارے میں سرکار کا ارشاد ہے:

من احدث فی امرنا ما لیس منه فهو رد (بخاری، مسلم، ج ۲، ص ۷۷)

جس شخص نے ہمارے اس امر (احکام شریعت) میں کوئی ایسی چیز بڑھائی جو اس میں نہ تھی تو وہ (نیا حکم) ردّ ہے

اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بدعت دراصل احکام شریعت میں تحریف کا نام ہے یعنی جو حکم شرعی کسی دنیوی یا دینی چیز کے بارے میں شریعت میں قرار دیا گیا۔ اس کی بجائے اپنی طرف سے کوئی حکم لگانا یا اس غلط حکم کو صحیح اعتقاد کرنا محدث ہے اور ہر محدث بدعت ہے۔ اس امر میں دینی یا دنیوی کام کا کوئی فرق نہیں اللہ تعالیٰ نے دین یا دنیا کے ہر کام کے بارے میں کوئی نہ کوئی شرعی حکم بھیجا ہے اور شرعی احکام یہ ہیں: فرض، واجب، سنت مؤکدہ (اور سنت غیر مؤکدہ، مستحب)۔ اسی طرح نواہی بالترتیب حرام، مکروہ تحریمی، اساءت (اور مکروہ تنزیہی، خلاف

اولیٰ) اور مباح۔

کائنات میں جتنی چیزیں ہیں ان کے استعمال یا عدم استعمال اور جتنے عقیدے ہیں ان کے ماننے یا نہ ماننے اور جتنے امور شرعیہ ہیں ان کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی نہ کوئی حکم شرعی ان احکام میں سے موجود ہے جو دلائل شرعیہ اربعہ کے عموم یا خصوص سے ثابت ہوگا۔ قرآن وحدیث کے علاوہ عقائد اور فقہ کی کتابوں کے طویل وعریض دفتر ہمارے اس دعویٰ کے سچے گواہ ہیں۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان قال قیل له قد علمکم نبیکم ا کل شی حتی الخرائة؟ قال فقال اجل۔ (مسلم شریف، ج ۱، عربی ص ۱۳۰)

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ کفار نے آپ سے کہا کہ تمہارے نبی ﷺ تمہیں ہر چیز بتاتے ہیں یہاں تک کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا ''ہاں'' یعنی ہمیں حضور ﷺ ہر چیز بتاتے ہیں؟ یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؟

تو ثابت ہوا کہ کائنات کے جتنے امور ہیں وہ صحابی کے اس اقراری ''کل شیٔ'' میں داخل ہیں چاہے ان امور کا ظہور اس زمانے میں ہوا تھا یا نہیں اور وہ امور اب ظاہر ہوئے یا اب سے تھوڑا یا زیادہ عرصہ پہلے، احکام بہر صورت ہر چیز کے پہلے سے دے دیئے گئے۔ اگر وہ فعل فرض ہے تو اسے حرام یا مکروہ کہنے والا قول محدث کا قائل ہو کر بدعتی ہے اور اگر وہ مثلاً حرام ہے تو اسے فرض واجب وغیرہ کہنے والا بھی خود بدعتی ہوگا اسی طرح اگر کوئی فعل مباح ہے تو اس کا کرنے والا تو بدعتی نہیں ہوگا لیکن اسے فرض سمجھنے والا بدعتی ہوگا چاہے وہ یہ فعل کرے یا نہ کرے

اگر وہ اپنے فعل کو فرض وغیرہ نہیں سمجھتا لیکن کوئی دوسرا اس کے فعل کو حرام کہتا ہے تو وہ بھی بدعتی ہوگا۔

اہل سنت و جماعت کے وہ معمولات جن پر بدعت کا طعنہ کسا جاتا ہے ان میں سے بعض سنت سے ثابت ہوتے ہیں اور منکر کو پتہ نہیں ہوتا اور بعض مستحب ہوتے ہیں اور بعض مباح۔ اہل سنت کے علماء ان احکام میں تبدیلی نہیں کرتے بلکہ بتادیتے ہیں کہ یہ امر مباح ہے یا مستحب۔ فرض، واجب ہرگز نہیں۔ اس لئے ہمارے ان افعال پر بدعت کا فتویٰ غلط ہوگا۔ رہے ہمارے عوام، عوام کسی طبقے کے بھی حجت نہیں ہوتے۔ علماء جب کسی بات کی تصریح کر رہے ہوں تو پھر عوام کا اس کے خلاف بالفرض کوئی عقیدہ ہو بھی تو وہ ان افراد کی غلطی ہوئی مگر پورے مسلک اہل سنت کی غلطی نہ ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس اس مباح فعل کو یا اس مستحب فعل کو کوئی شخص حرام یا مکروہ تحریمی کہتا ہے تو وہ یقیناً محدث فعل کا مرتکب ہے اور اسی کو بدعتی کہیں گے۔ ہماری اس تشریح کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ اہل بدعت دراصل وہ علماء ہیں جو ان افعال کو جو اپنی اصلیت میں جائز یا مستحب تھے یا بلکہ ترک اولیٰ بلکہ مکروہ تنزیہی تک کیوں نہ تھے انہیں حرام یا مکروہ تحریمی کہا ہے فریق مخالف کے عوام تو کسی قطار میں نہیں۔ بات تو علماء کی ہے جو جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان امور کو حرام یا مکروہ تحریمی کہتے ہیں ثابت ہوا کہ پکے بدعتی وہی ہیں لیکن اس دور کا المیہ ہے کہ سینہ تان کر ہم سے کہتے ہیں کہ تم ہی بدعتی ہو۔ ہاں صحابہ کرام کے اقوال میں کبھی کبھی کسی ایک آدھ صحابی کے قول سے احتمال پیدا کیا جاتا ہے کہ شاید وہ ہر اس کام کو بدعت کہتے ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔

لیکن سیدنا ابوبکر سیدنا عمر اور سیدنا زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) اور ان کے زمانے کے تمام

دیگر صحابہ کے اتفاق سے اس بات کو مسترد کیا گیا کہ جو کام رسول ﷺ نے نہ کیا ہو وہ اگر اچھا بھی ہو تو نہ کیا جائے جب حضرت عمر نے سیدنا ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ حفاظ صحابہ شہید ہو رہے ہیں آپ قرآن پاک کو لکھوا کر رکھیں تو سیدنا ابوبکر صدیق نے جواب میں یہ فرمایا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں جب کہ حضرت عمر بار بار اصرار کرتے رہے تو ابوبکر صدیق بھی اس کے قائل ہو گئے تو پھر زید بن ثابت کو بلایا کہ آپ قرآن مجید کو ایک کتابی کی شکل میں جمع کریں زید بن ثابت نے بھی وہی بات کہی کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو میں کیسے کروں پھر ان کا دل بھی کھل گیا اور وہ بھی اس پر آمادہ ہو گئے (بخاری شریف، ج ۲، عربی ص ۷۴۵) بہر حال ان تین حضرات نے اس بات کو مسترد کر دیا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو وہ نہ کیا جائے اب اگر کسی اور صحابی کا قول اس کے خلاف آتا ہے تو وہ مذکورہ بالا اتفاق شیخین کے خلاف ٹھہرتا ہے لہٰذا اس کا پیش کرنا صحیح نہ ہوگا اس زمانے کے اہل بدعت میں سے ایک شخص نے اپنے پروپیگنڈہ کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے ایک کتاب المعروف ''راہ سنت'' لکھی جو مغالطہ آفرینیوں سے بھرپور تھی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیزی علامہ مفتی عبدالمجید صاحب سعیدی (متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ ونشر علمہ) کو جنہوں نے اس کتاب کا ردّ بسیط لکھا ہے اور فریق مخالف کے دلائل کو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت کیا اور ان کے تارو پود کو بکھیر دیا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں آپ کے تصنیفی اور تدریسی اور کتابی نیز مناظرانہ خدمات میں بے حد برکت عطا فرمائے اور برکتوں میں ہر آن مزید برکتیں بڑھاتا رہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے انوار و تجلیات کے فیوض ہر آن ان پر وارد ہوتے رہیں ان کے کھلے اور چھپے

مخالفین کو اللہ تعالیٰ ہر آن اپنی قوت اور قدرت سے شکست دیتا رہے اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو حاسدین، ساحرین اور ماکرین کے مکاید اور شرارتوں سے اپنے حفظ وامان میں رکھے اور نظر بد سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شر شیاطین سے بچائے۔ ہر آن تقویٰ، سعادت اور ہدایت پر چلائے ان کی اولاد اور تلامذہ کو سات پشتوں تک بلکہ اس سے بھی آگے تقویٰ وسعادت کے ساتھ نشر دین کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے اللھم امین

یاحی یاقیوم برحمتك استغیث لا اله الا انت آمین ببرکة سید المرسلین خاتم النبیین وببرکة اله واصحابه صلی الله علیه واله وصحبه اجمعین والحمد لله رب العالمین

قاله بفمه وامر برقمه الفقیر الی ربه

محمد اقبال عفی الله عنه

<<<<< >>>>>

تقریظ جلیل

محسن اہلسنّت صاحب تصانیف کثیرہ انیقہ ،بقیۃ السلف زبدۃ الاصفیا، رئیس القلم، استاذ العلماء

حضرت علامہ مولانا **عبدالحکیم** صاحب شرف القادری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولوی ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑوی دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان، شیخ الحدیث اور متعدد کتب کے مصنف ہیں، ان کے مطالعہ اور جستجو کا محور اور زندگی بھر کا حاصل یہ ہے کہ میرے نبی کو فلاں غیب کا علم نہیں تھا اور فلاں چیز کا اختیار نہیں تھا، انہوں نے پوری زندگی اہل سنت و جماعت (جنہیں وہ بریلوی کہتے ہیں حالانکہ بریلوی کوئی مذہب یا مسلک نہیں ہے) کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے اور اس کا انہیں حق ہے جس پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔ لیکن اس سوچ پر بھی تو پابندی عائد نہیں کی جاسکتی کہ یہ اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کہ ایک طبقہ قرآن وحدیث کا مطالعہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی اور وسعت اختیار ثابت کرنے کے لئے کرتا ہے اور دوسرا طبقہ یہ ثابت کرنے کے لئے سالہا سال صرف کر دیتا ہے کہ میرے نبی کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا اور فلاں چیز کا اختیار نہیں تھا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ انہیں توضیح میں صدر الشریعہ امام عبید اللہ ابن مسعود کی یہ بات نظر آجاتی ہے کہ ولم یظهر احدا من خلقه علیها یعنی، اللہ تعالیٰ نے متشابہات اور

اسرار پر مخلوق میں سے کسی کو تسلط اور یقینی علم عطا نہیں فرمایا، لیکن اسی توضیح کے متن تنقیح میں یہ عبارت نظر نہیں آتی ولانہ اسبق الناس فی العلم وانہ یعلم المتشابہ والمجمل (فصل فی الوحی ص ۴۸۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم میں تمام انسانوں سے آگے ہیں اور یہ کہ آپ متشابہ اور مجمل کو جانتے ہیں، کیا قسم کھا رکھی ہے کہ ہم نے ہر اس تحریر سے آنکھ بند کر لینی ہے جس سے عظمت مصطفیٰ ﷺ ثابت ہوتی ہو؟

گکھڑوی صاحب کی کتاب ''راہ سنت'' وہ ہے جس میں انہوں نے اہل سنت وجماعت کے معمولات مثلاً محفل میلاد، عرس اور دعا بعد از جنازہ وغیرہ کو بدعت قبیحہ قرار دے کر ہدف تنقید بنایا ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے فاضل نوجوان مولانا علامہ عبد المجید خان سعیدی رضوی مہتمم جامعہ نبویہ رحیم یار خان کہ انہوں نے ''راہ سنت'' کے جواب میں ''مصباح سنت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کے چند ابتدائی صفحات دیکھنے کا راقم کو موقع ملا ہے فاضل علامہ مولانا مفتی عبد المجید خان سعیدی رضوی دو درجن سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں، ان کی تصانیف متانت، شائستگی اور مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت شاہکار ہیں ان کی یہ تصنیف بھی دیگر تصانیف کی طرح مسلک اہل سنت وجماعت کی حقانیت کو آشکار کر دے گی اور مخالفین کے دام تزویر کے تار و پود بکھیر دے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

مولائے کریم حضرت مصنف کے علم واخلاص میں مزید برکتیں عطا فرمائے آمین

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ	محمد عبد الحکیم شرف القادری
۲۱ جولائی ۲۰۰۳ء	مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور

تقریظ انیق

تلمیذ رشید غزالی زماں، بقیۃ السلف، پیر طریقت، رہبر شریعت، شیخ الاسلام

حضرت علامہ مولانا میاں **فتح محمد** صاحب قادری مدظلہ العالی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ فتحیہ قادریہ و مہتمم مدرسہ فتحیہ

جامع مسجد حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ جلال پور پیر والا ضلع ملتان

دامت عنایتکم مفتی عبد المجید سعیدی صاحب

ذوالمجد والاکرام فاضل محترم علامہ العصر حضرت مولانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی، نوازش نامہ موصول ہو کر کاشف حال ہوا۔ آپ کی نئی مطبوعہ کتاب ''مصباح سنت'' بالاستیعاب پڑھی قلبی مسرت ہوئی۔ جس طرح جناب والا نے مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کی ترجمانی فرمائی وہ قابل صد تحسین ہے۔ خصوصاً دشمنان رسول اللہ ﷺ کی ہرزہ سرائی کے خلاف آپ کے قلمی جہاد نے حق و باطل میں واضح تفریق کی نشاندہی کی ہے یہ صرف آپ کا طرۂ امتیاز ہے اللہ تعالیٰ آپ کے حسن تحریر میں (جو واقعی اپنے اسلوب تحریر میں مزین ہوتی ہے) بلندی عطا فرمائے آمین

آپ نے ہمیشہ تصریف و تحریف سے ہٹ کر حقیقت کو موضوع بنایا ہے اور کما حقہ وقت کی ضرورت کے پیش نظر کتاب مستطاب ''مصباح سنت'' کو تحریر کر کے دراصل روحِ مصطفیٰ

ﷺ کی خوشنودی حاصل کی ہے جب بھی کسی مخالف نے مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی تو علماء حق نے باطل کے طلسم کوتوڑ دیا۔

دعا ہے کہ مولائے کریم آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقط والسلام

نقیر فتح محمد قادری

مسجد شریف حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ

جلال پور پیروالا (ملتان)

۱۰ جولائی ۲۰۰۳ء بروز جمعرات

<<<<< >>>>>

تاثراتِ لطیفہ

عمدۃ المدرسین، ملک التحریر

حضرت مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری دام ظلہم

فاضل مدرس شعبہ درس نظامی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''مصباح سنت بجواب راہ سنت'' اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور ممتاز تصنیف ہے جسے حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمجید خان صاحب سعیدی رضوی دامت برکاتہم صدر مدرس و مہتمم جامعہ غوث اعظم رحیم یار خان نے انتہائی عرق ریزی سے کتاب کی صورت دی ہے سرفراز گکھڑوی دیوبندی نے جو اس دور کا نہایت شاطر اور عیار مصنف ہے جس نے سوقیانہ انداز کو راہ سنت کا نام دیا اور اپنے اکابر کی روش پر چلتے ہوئے ادب و احترام کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور اپنے تصور باطلانہ کو اپنی کتاب میں جمع کیا جس کا مؤثر ترین جواب اب آپ ''مصباح سنت'' میں پائیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

راقم السطور ''مصباح سنت'' ایسی لاجواب کتاب پر فاضل مصنف کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی اس قلمی کاوش کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے آمین۔

۱۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء/۱۳ شعبان اعظم ۱۴۲۴ء

محمد منشا تابش قصوری

شرفِ انتساب

فقیراپنی اس ناچیز کاوش کواپنے استاذ گرامی مخزن علم وفضل معدن تقویٰ و طہارت، جامع المعقول والمنقول، مناظر اسلام استاذ العلماء حضرت قبلہ مولانا علامہ مفتی **محمد اقبال** صاحب سعیدی رضوی دامت برکاتہم العالیہ (حال استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم نیو ملتان) کے توسط سے اپنے استاذ الاستاذ، مجمع البحرین، ماہر علوم وفنون عالیہ وآلیہ فاتح رفض وخروج، مناظر اعظم شیخ القرآن حضرت قبلہ علامہ مولانا **محمد منظور احمد** صاحب فیضی دامت فیوضہم ومدظلہم (بانی ومہتمم جامعہ فیضیہ رضویہ احمد پور شرقیہ وحال شیخ الحدیث وشیخ المناظرہ جامعہ المدینہ کراچی) کے نام نامی واسم گرامی سے منسوب ومعنون کر کے اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہے کیونکہ یہ تالیف آپ ہی کے حکم پر عمل میں آئی (کما سیأتی)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

عبدالمجید سعیدی رضوی

بقلمه مؤلف هذا

بابِ اوّل کا محاسبہ

اس باب میں گکھڑوی صاحب نے (یہ تاثر دینے کی غرض سے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب کے جملہ استدلالات کی بنیاد دلائل شرعیہ پر رکھی ہے) یہ بیان کیا ہے کہ شرعی دلائل ان کے نزدیک کتنے اور کون کون سے ہیں نیز ان کی نوعیت کیا ہے جیسا کہ خود ان کے قائم کردہ عنوانِ باب سے بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں:۔

"بابِ اوّل شرعی دلائل اور براہین کے بیان میں"

ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۱)

اقول:۔ مجموعی طور پر یہ عنوان باب قطعاً ہمارے خلاف نہیں لہذا نفس باب کے حوالہ سے اس کا کوئی امر ایسا نہیں جس کے ہم جوابدہ ہوں کیونکہ

دلائل شرعیہ:۔ انہوں نے اس مقام پر جن چار امور کے دلائل شرعیہ ہونیکا بیان کیا ہے یعنی قرآن[1]، حدیث[2]، اجماع امت[3] اور قیاس[4] اہل اجتہاد۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۱ ص۲۲ ص۲۸ ص۴۰ ص۵۷) ہمارے نزدیک بھی (بفضلہٖ تعالیٰ سُنّی حنفی ہونیکے ناطے سے) دلائل شرعیہ وہی چار ہی ہیں جو قطعاً محتاج بیان نہیں اور نہ ہی اس سلسلہ میں ہمیں کسی (گکھڑوی وامثلہ) سے سند لینے کی ضرورت ہے البتہ ان دلائل کی نوعیت کے بیان کے حوالہ سے انہوں نے عوام کو جو مغالطات اور چکمے دیئے کئی علمی ٹھوکریں کھائیں اور بعض علماء اہل سنت پر جو بے جا چوٹیں کی ہیں۔ نیز اپنے ہی قائم کردہ معیاروں کی صریح خلاف ورزیاں کر کے دہرا پن کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ کہ ان کے اس دعویٰ میں (کہ ان کے جملہ استدلالات انہی دلائل شرعیہ پر مبنی ہیں) کچھ صداقت نہیں، ان کے اپنے لفظوں میں ان کی پوزیشن (ص۱) اور اصل علمی قدر وقیمت کو واضح کرنیکے لیئے اس سب کا جائزہ لینا انتہائی ضروری ہے جو باب ہذا کے جملہ عنوانات کے تحت ایک ایک کر کے صفحات کی ترتیب سے بالتفصیل پیش خدمت ہے۔

فاقول و باللہ اصول وبہ التوفیق ومنہ السّدید

پہلی بسم اللہ ارتکاب بدعت سے :۔ گکھڑوی صاحب نے "باب اوّل"
کا عنوان قائم کرنے کے بعد پہلی بسم اللہ کے طور پر اس کا آغاز حسب ذیل خطبہ سے کیا ہے،
" الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امّا بعد فان اصدق
الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمّد صلے اللہ علیہ (وعلیٰ
الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وجمیع امّتہ) وسلم وشر الامور محدثا
تھاو کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار
قال اللہ تبارک وتعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" ملاحظہ ہو (راہِ سنت صلا) ۔

اقولُ :۔ گکھڑوی صاحب کے حسبِ اصول بہ ہیئت کذائیہ تحریر کردہ ان کا یہ خطبہ اسی طرح اس
کے ضمن میں لکھا گیا ان کا صیغۂ درود بعینہٖ وہی بدعت ہے جس کے رد میں انہوں نے اپنی یہ
کتاب وضع کی ہے جو بذات خود ان کی ایک اور مستقل بدعت ہے جو قدرت کی طرف سے
انہیں، اہلسنت کو بے جا طور پر بدعتی قرار دینے کے جرم کی سزا ہے (کذٰلک العذاب ولعذاب
الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون) ورنہ وہ اپنے اس خطبہ نیز صیغۂ درود کو کسی صحیح
شرعی معیاری دلیل سے ثابت کر کے دکھائیں ۔

مباحث کتاب اللہ

قرآن کے مکمل ضابطۂ حیات ہونیکا مطلب:۔ اس کے بعد گھڑوی صاحب نے
"قرآن ابدی قانون کامل ضابطۂ حیات اور مکمّل دستور العمل ہے"
کا عنوان قائم کیا ہے جو فی نفسہٖ بجا ہے لیکن "کلمۃ حق ارید بہا باطل" کے پیش نظر
اس سے ان کی جو غرض ہے وہ قطعاً درست نہیں ہے۔ جس کی مکمل تفصیل آئندہ سطور
میں ان کے قائم کردہ عنوان **"قرآن کی ہمہ گیر صداقت اور دین اسلام کا مکمّل ہونا"** کے
تحت آرہی ہے (فمن شاء الاطلاع علیہ فلیرجع الیہ) البتہ عنوان ہذا کے تحت
ان کی فروگزاشتوں کی تفصیل حسب ذیل۔

جہالت اور بدعت: گھڑوی صاحب نے اس عنوان کے تحت نیز آگے بھی اسلام
کے لئے بار بار **مذہب** کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ایک مقام پر ان کے لفظ ہیں،
ان المذہب عند اللہ الاسلام ملاحظہ ہو (راہِ سنّت ص۱۲ سطر ۹) جو جہالت ہے۔ کیونکہ
اہل علم کے نزدیک "مذہب" کا اطلاق فقہی مسالک ہی پر کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے مذہب
حنفی اور مذہب شافعی وغیرہا جبکہ اسلام کے لئے قرآن وسنّت میں دین کا لفظ وارد ہے اللہ تعالیٰ
کا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "**ان الدین عند اللہ الاسلام**" یوں نہیں
فرمایا کہ "**ان المذہب عند اللہ الاسلام**"۔ پس ان کا اسے مذہب کہنا ان
کے حسب اصول (جہالت کے ساتھ ساتھ) بدعت بھی ہوا۔

ایک اور جہالت:۔ (قرآن مجید پ۲۱ کی) سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۰ رکوع نمبر ۴ کے
الفاظ "فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا"، کا اردو ترجمہ اس طرح لکھا ہے
"یہ اللہ تعالیٰ کا وہ قانون فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے" اھ
ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۲)

اقول :- یہ موصوف کی ایک اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ انہوں نے اس میں "فطرۃ اللہ" کو مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے لفظوں سے ظاہر ہے جو غلط ہے کیونکہ نظم قرآنی میں لفظ "فطرۃ" منصوب ہے جبکہ خبر مبتدا کے مرفوع ہونے کا مسئلہ نحو کے مبتدی پر بھی مخفی نہیں۔

علاوہ ازیں انہوں نے اس میں لفظ قانون کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے ورنہ وہ بتائیں کہ "قانون" آیت کے کس لفظ کا معنےٰ ہے؟

اختیارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کا محاسبہ

اس کے بعد گکھڑوی صاحب یہ عنوان

"قانون سازی کا منصب کس کو حاصل ہے اور اسکے لوازمات کیا ہیں؟"

قائم کر کے یہ باور کرانے کی مذموم سعی کی ہے کہ یہ منصب اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں حتیٰ کہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۲ تا ص۱۴)۔

بلکہ تھوڑا سا آگے چل کر اس کی تصریح کرتے ہوئے بھی یہ لکھ دیا ہے کہ "رسول کا کام صرف دین حق کی تبلیغ کرنا ہے دین کا بنانا نہیں" ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۲۳)

اقول :- **اولاً** :- گکھڑوی صاحب نے "کس کو حاصل ہے" کا عنوان دینے کے بعد اسے خاصۂ الٰہی بتا کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ جل شانہٗ کے اختیار کو بھی حصولی اور کسی اور کا مرہونِ منت ہونا بنا کر رکھ دیا ہے جو کفر و شرک ہے کہ اللہ کی ذات و صفات قدیم مستقل اس کی جملہ صفات محض اس کی ذات کا تقاضا ہیں۔ پس اللہ کی اس شان کو حصولی کہنا کسی اور اِلٰہ کے تجویز کرنے کے مترادف ہے۔ غور فرمائیں گکھڑوی صاحب کہ رسول دشمنی کہاں سے کہاں لے گئی۔ نعوذ باللہ من غضبہٖ

ثانیاً :- اختیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کا یہ دعویٰ ایسا ہے کہ جس کی

کوئی صحیح شرعی معیاری دلیل پیش کرنے میں وہ ناکام رہے ہیں۔ وکل دعوی بلا دلیل لا یسمع۔

ثالثاً:۔ ان کا یہ دعوی خود ان کے اپنے قائم کردہ معیار نیز ان کی اپنی تحریرات کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ وہ اس سے قبل صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک دلائل شرع چار ہیں جن میں سے بنیادی حیثیت قرآن اور حدیث کو حاصل ہے (کمامر) جبکہ قرآن مجید نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض قرار دیکر آپ کی سنت کو مستقل بنیادوں پر دین وشرع کی دلیل بتایا ہے قال اللہ تعالیٰ "یایھا الذین اٰمنو اطیعوا اللہ واطیعو الرسول" وقال ایضاً ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ الآیۃ۔

بلکہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی دلائل شرعیہ کے بیان کے ضمن میں حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلیل شرع ہونے کو مان لینے کے علاوہ مزید بھی اس کی تصریحیں کی ہیں۔ چنانچہ اپنی اسی نام کی راہِ سنت میں انہوں نے لکھا ہے:۔ "کائنات کی راہبری کیلئے اصولی طور پر ہدایت دو حصوں اور درجوں میں منقسم ہے .... ایک .... ہدایت کے سرچشمہ کا نام وحی متلو اور قرآن مجید ہے" اھ ملخصاً بلفظہ ملاحظہ ہو (ص۱۱-۱۲)

آگے چل کر اسی میں لکھا ہے)۔ "ہدایت کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کو وحی خفی، وحی غیر متلو اور حدیث کہا جاتا ہے"۔ ملاحظہ ہو (ص۲۲) تفسیر روح المعانی میں پیش نظر الفاظ آیت کے تحت ہے:۔ "نصب علی الاغراء ای الزموا فطرۃ اللہ تعالیٰ" یعنی ان الفاظ میں لفظ "فطرۃ" "مفہوماً" "الزموا" فعل کے باعث منصوب ہے اور معنے ہیں تم اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازماً پکڑو۔

اسی میں اس سے تھوڑا سا آگے اسماء افعال کے حذف کے جواز کے قائلین کے حوالہ سے لکھا ہے "جوّز ان یقدر ھنا علیکم اسم فعل" کہ انہوں نے یہاں پر علیکم اسم فعل کے مقدر ماننے کو جائز قرار دیا ہے۔

نیز اسی میں اس سے متصلاً مرقوم ہے :۔ وقال مکی ھو نصب باضمار فعل ای اتبع فطرۃ اللّٰہ ،، یعنی مکی نے کہا یہ فعلِ مقدر کا منصوب ہے اور معنی ہیں کہ تو اللہ کی فطرت کی پیروی کر اھ ۔

اس میں اور اقوال بھی ہیں جن میں سے ہر ایک گکھڑوی صاحب کے اس ترجمہ کے غلط ہونے کے لیے مستقل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ملاحظہ ہو (ج ۱۱ پ ۲۱ ص ۳۹ طبع ملتان)

علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کے اس ترجمہ کے غلط ہونے کی ایک اور دلیل ان کے حکیم الامت تھانوی صاحب کا ترجمہ بھی ہے ۔ چنانچہ مذکور نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔ "اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے" اھ ملاحظہ ہو (ترجمہ تھانوی پ ۲۱ الروم آیت ۳۰)

ازالۂ وہم :۔ آیت کے ان الفاظ کے تحت مفسرین کی نقل کردہ ایک روایت کے الفاظ (فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا دین اللّٰہ تعالیٰ ،، رواہ ابن مردویہ عن انس رضی اللّٰہ عنہ مرفوعاً) بھی گکھڑوی صاحب کے اضافہ کردہ لفظ قانون کے ثبوت کی دلیل بننے کے صالح نہیں کیونکہ "فطرۃ اللّٰہ" بمعنیٰ "دین اللّٰہ" لینے کی صورت میں یہ لفظ اس کے متبادل ہوں گے اور معنی ہو گا اللہ کے دین کو لازم پکڑو جبکہ موصوف نے لفظ قانون کو لفظ "فطرۃ" ،، کی جانب مضاف کے طور پر لکھا ہے ۔ علاوہ ازیں موصوف اس روایت سے عدول کر کے اسے عملاً رد بھی کر چکے ہیں ۔ فافھم ولا تکن من الغٰفلین ۔

ایک اور جہالت :۔ راہِ سنت ص ۱۲ میں ایک جملہ کے لفظ ہیں "آنکھوں کو خیر کر دیتی ہے"

اقول :۔ صحیح لفظ "خیرہ" ،، ہے ملاحظہ ہو (فیروز اللغات وغیرہ)

پس اگر یہ غلط کتابت نہیں تو اس سے مؤلف کے اردو ادب پر عبور ہونے کا بخوبی پتہ چلتا ہے ۔

اسی میں مزید لکھا ہے کہ "جس چیز کو آپ نے گناہ اور جرم قرار دیا ہو، دنیا میں کوئی شخص اس کی خوبی ثابت نہیں کر سکتا اور جس چیز کو آپ نے نیکی قرار دیا ہو دنیا کی کوئی طاقت اس کی برائی ثابت نہیں کر سکتی،، اھ ۔ ملاحظہ ہو (ص ۲۲۳) ۔

اقول:۔ حدیث نبوی علیٰ صاحبہ السلام کا مستقل بنیادوں پر دلیل شرع ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باذن الٰہی مختار فی التشریع ہونے کی دلیل ہے ۔ کیونکہ حدیث، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کا نام ہے ۔ یعنی جو آپ نے فرما دیا وہ بھی حدیث ہے ۔ جو کر کے دکھا دیا وہ بھی حدیث ہے ۔ کسی نے آپ کے سامنے کچھ کہا یا کیا اور آپ نے منع فرمانے کی بجائے اسے برقرار رکھا تو وہ بھی آپ کی حدیث ہے ۔ جس پر خصوصیت کی دلیل نہ ہونے کی صورت میں امت پر اس کی پیروی کرنا لازم ہے جو آپ کے مختار اور قانون ساز ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ کسی امر کو برقرار رکھنا اختیار کے بغیر نہیں ہو سکتا اور محض آپ کے اسے برقرار رکھنے سے اس کا شرعی حکم بن جانا آپ کے قانون ساز ہونے کی شان کے حامل ہوئے بغیر قطعاً نہیں ہو سکتا ۔

وحی ہونا منافی اختیار نہیں:۔ رہا یہ کہ حدیث بھی وحی ہے جس کی رو سے آپ علیہ السلام کا ہر قول و فعل اور تقریر، حکم الٰہی سے ہوا ۔ پس اختیار ثابت نہ ہوا؟

تو اس کا ایک جواب خود گکھڑوی صاحب کی بعض تحریرات کے حوالہ سے یہ ہے کہ موصوف نے اپنی اس کتاب (راہ سنت) میں تو یہی کہا ہے مگر اپنی ایک اور کتاب ازالۃ الریب میں اسے چیلنج کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر اس سے انکار کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو (ص ...) جس کی تسلی بخش توجیہ پیش کرنا ان کے ذمہ ہے اور کم از کم اس سے اتنا ضرور واضح ہو گیا کہ ان کے بقول ہر حدیث کا وحی سے ہونا عدم اختیار کی دلیل ہے تو انہی کے قول کی رو سے ہر حدیث کا وحی سے نہ ہونا اختیار کی دلیل ہوا ۔

علاوہ ازیں موصوف نے مسئلہ مختار کل کے موضوع پر تحریر کردہ اپنے رسالہ "دل کا سرور،، میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں نمبر ۱ حقیقی اور نمبر ۲ حکمی اور واضح طور پر لکھا ہے کہ "وحی حکمی" سے ان کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات

اور آپ کے ان امور کے متعلق ذاتی فیصلے ہیں جن کے بارے میں کوئی صریح الٰہی نہیں تھا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں برقرار رکھتے ہوئے انہیں (یعنی اذن عام کے تحت) حکم شرعی قرار دیا۔ یا انکی تردید نہ فرمائی (ملخصًا) ملاحظہ ہو (دل کا سرور ص) جو

اختیار کا ثبوت ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بھی معاذ اللہ اختیار کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اللہ سے ہٹ کر یا اس کے مقابلہ میں آپ کوئی فیصلہ دیں کیونکہ ایسا اختیار ماننا بت پرستوں کا عقیدہ ہے جو وہ اپنے بتوں کے بارے میں رکھتے تھے۔ بلکہ ہم اختیار عرفی کے قائل ہیں جس کا مفہوم صرف اور صرف یہ ہے کہ بندہ تحت مشیت کسی کام کے ہوجانے یا نہ ہونے کے ارادہ سے اپنی کوشش کو برقرار کار لائے اور اللہ تعالیٰ اس کے حسب ارادہ اور حسب کوشش سے پیدا فرما کر عملی شکل عنایت فرمائے لیکن مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنے ذاتی اختیار اور اپنے فضل وکرم سے۔ جبکہ اس کا اپنے عباد مقربین خصوصًا حضور سید المقربین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے حسب وعدہ بہت بڑا فضل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وکان فضل اللہ علیک عظیما۔

الغرض اجتہادات نبویہ، اختیارات نبویہ کی دلیل ہیں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ۔

جس کی ایک عمدہ مثال یہ بھی ہے کہ گکھڑوی صاحب نے حضرات خلفاء راشدین کی سنن کریمہ اور ان کے تفقہات، اجتہادات اور استنباطات کو عین سنت نبویہ علیٰ صاحبہا السلام قرار دیا ہے ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۳۰ تا ص۳۴)

تفویض احکام کا مطلب: جن ائمہ دین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منجانب اللہ کو تفویض احکام کا قول کیا ہے جیسے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نور اللہ ضریحہ نے مدارج النبوۃ (ج ۲ ص طبع) میں فرمایا "ومذہب صحیح ومختار آنست کہ احکام مفوض است بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ وہر چہ خواہد حکم کند وبر دیگرے مباح گرداند وایں را امثلہ بسیار است"، اھ

اسی طرح اشعۃ اللمعات (ج ۴ ص   طبع   ) میں بھی ارقام فرمایا ہے
اس کا محمل بھی وہی ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا (والحمد للہ الکریم۔)

حقیقت اجتہاد کے حوالہ سے اختیار پر اعتراض کا جواب

رہا یہ کہ اجتہاد اظہار حکم ہے نہ کہ اثبات حکم اور مجتہد مظہر کا ہوتا ہے نہ کہ مثبت حکم، پس آپ علیہ السلام کا اجتہاد بھی مظہر حکم ہے نہ کہ مثبت حکم جو اپنے عموم و اطلاق آیات سے اخذ فرمایا۔ لہٰذا اس سے اختیار ثابت نہ ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً اس سے عموم و اطلاق آیات سے استدلال کا درست بلکہ مسنون ہونا ثابت ہوا جس سے گکھڑوی صاحب کو تحریک کی حد تک انکار ہے جیسا کہ دیگر تصریحات کے علاوہ ان کی کتاب راہ سنت کا باب چہارم اس پر شاہد عدل ہے۔

ثانیاً:۔ اس کی نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات کو مجتہدین امت کے اجتہادات کے برابر اور ہم رتبہ سمجھ لیا گیا ہے جو بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ

۱:۔ عند المحققین آپ علیہ السلام کا اجتہاد، خطاء سے پاک ہے جیسا کہ ائمہ کے اسے آپ کے خصائص میں شمار کرنے سے بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ امام علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ (ج ۲ ص ۲۰۲ طبع مصر و پاک) میں یہ عنوان قائم فرمایا ہے:۔ "باب اختصاصہ بعدم جواز الخطأ علیہ"، یعنی اس امر کا بیان کہ آپ علیہ السلام سے خطأ اجتہادی کا صادر نہ ہونا آپ کے خصائص سے ہے۔

پھر اس کے تحت باحوالہ مدلل کر کے لکھا ہے:۔ الحق انہٗ لا یخطیٔ اجتہادہٗ"، یعنی حق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا اجتہاد خطأ سے پاک تھا۔ اھ

جبکہ مجتہدین امت سے خطأ اجتہادی ممکن ہی نہیں، واقع ہے جس پر حدیث اذا اجتہد الحاکم الخ سے بھی روشنی پڑتی ہے جسے خود گکھڑوی صاحب نے بھی استناداً

نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۵۷)

علاوہ ازیں حق کے دائر ہونیکے قول کی بنا پر آئمہ مجتہدین کے اختلاف سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں بشرط عدم تلفیق کسی بھی ایک مجتہد کی پیروی کر لینا شرعی حکم سے عہدہ برآ ہونیکے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ بالفاظ دیگر پیروی کرنے والے کو کسی ایک کی پیروی کرنیکا اختیار ہوتا ہے۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر عمل پیرا ہونا ہر حال میں اُمت پر فرض ہے۔ یہ نہیں کہ اسے اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو (فافترقا) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔

یعنی اللہ اور اس کا رسول جب کسی امر کے متعلق کوئی فیصلہ صادر فرمادیں تو اسکے برعکس کرنیکا نہ تو کسی مؤمن مرد کو اختیار ہے اور نہ کسی مؤمنہ عورت کو اس کا کچھ اختیار ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ بلاشبہ کھلا گمراہ ہے۔

ملاحظہ ہو (پ۲۲ رکوع ۲ الاحزاب آیت ۔)

نمبر۲:- قرآن وسنت کے کئی نصوص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مجتہدین اُمت کے اجتہاد کی عدم برابری پیش کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یایھا الذین اٰمنو اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر الآیۃ۔

یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی۔ پھر اگر کسی امر میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور اس رسول کے سپرد کرو اگر تمہیں اللہ اور آخری دن پر ایمان ہے۔ ملاحظہ ہو (پ۵ رکوع ص النساء آیت ۔)

اگر نبی اور اُمتی کے اجتہاد کا درجہ برابر ہے تو تنازع اور اختلاف کی صورت میں

اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنیکا کیا معنیٰ؟

نیز حدیث شریف میں حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الحدیث۔ یعنی اللہ کے رسول کی حرام کردہ چیز بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ۔

ملاحظہ ہو (ابو داؤد۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ صـــ ۲۹)

نمبر۳:۔ خود گکھڑوی صاحب بھی اس فرق کو ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کر چکے ہیں جس کے بعد ڈنڈالے کر ہمیں کسی سے کچھ منوانے کی کچھ حاجت نہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں،

" گو حسب تصریح علماء اصول، دلائل اور براہین چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ مگر اجماع اور قیاس درحقیقت کتاب اور سنت ہی کی طرف راجع اسی کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا کائنات کی راہبری کے لئے اصولی طور پر ہدایت دو حصوں اور درجوں میں منقسم ہے۔ الخ"

ملاحظہ ہو (راہ سنت صـــ ۱۱ صـــ ۱۲)

سچ ہے۔ ع:۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

مُبلغِ احکام ہونا بھی منافیٔ اختیار نہیں:

رہا گکھڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ رسول کا کام دین حق کی تبلیغ کرنا ہے دین کا بنانا نہیں (جیسا کہ باحوالہ گذر چکا ہے)؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذن الٰہی سے اجتہاد فرما کر تفصیل بالا کے مطابق اپنے خداداد اختیار سے فیصلہ صادر فرمانا بھی تبلیغ دین حق ہی ہے نہ کہ دین کا ازخود گھڑ لینا کیونکہ ازخود دین کے بنانے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر اور اللہ کے مقابلہ میں ہو جو نہ شان رسول کے لائق ہے اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں ورنہ بتایا جائے کہ یہ بات ہمارے کس ذمہ دار عالم نے اپنی کس کتاب میں کہاں لکھی ہے؟

فأتوا برهانکم ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار الآیۃ۔

اگر پھر بھی نہ مانیں تو گکھڑوی صاحب نے جو اجتہادات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو وحی حکمی قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی باحوالہ گذر چکا ہے، اس سے کیا جواب ہے؟

خلاف اختیار بعض آیات سے غلط استدلال کا ردّ:۔

گکھڑوی صاحب نے اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف استدلال کرتے ہوئے دو مختلف آیتوں کے دو ٹکڑے بھی پڑھ سنائے ہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں "خدا کے سوا دوسری ہستی نہیں ہو سکتی جو مخلوق کیلئے کامل و مکمل اور ناقابل ترمیم قانون اور آئین بنا سکے الا لہ الخلق والامر ان الحکم الا للہ" اھ بلفظہٖ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۳)

اقول: ان قرآنی الفاظ سے نہ تو گکھڑوی صاحب کے دعوٰی کا اثبات ہوتا ہے اور نہ ہی ہمارے حسب نظریہ اختیارات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ پیش کردہ پہلے ٹکڑے میں اللہ تعالٰی کی خالقیت اور حقیقی ذاتی حاکمیت کا بیان ہے جبکہ دوسرے ٹکڑے کا تعلق انزالِ آیات کے مسئلہ سے ہے جبکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اختیار بمعنی خلق کے قطعًا قائل نہیں اور نہ ہی ذاتی حاکمیت کے قائل ہیں، اسی طرح انزال آیات بھی ہمارے نزدیک اللہ ہی کی شان ہے۔ پس انہیں ہمارے خلاف ان کے پیش کنندہ کی ستم ظریفی یا قصور فہم ہے۔ لہذا "دوسری ہستی" کے لفظ بھی محض بے جا ہیں کہ دوسری ہستی ہونے کا نمبر تو اس پہ لگے گا جو پہلی ہستی کی طرح یعنی الٰہ ہو اور اس کے مقابلہ میں ہو جبکہ ہم اس معنیٰ میں کسی بھی فرد یا مخلوق کو قطعًا نہیں مانتے۔ عباد مقربین تحت مشیت اس کے ماذون و مختار ہیں لا غیر۔

علاوہ ازیں اگر ان کا مطلب مطلق عطائی حاکمیت کی نفی ہے تو اللہ تعالٰی کے ارشاد "فابعثوا حکمًا من اھلہ وحکمًا من اھلھا" کا کیا مطلب بنے گا؟

نیز ارشاد باری تعالیٰ: فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینھم الآیۃ کا کیا مفہوم ہوگا؟

علاوہ ازیں "الیس اللہ باحکم الحاکمین" کیا معنیٰ ہوگا۔

نیز پاکستان کے ہر فرمانروا کو حاکم کیوں کہتے ہو؟ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے "وتدلوا بھا الی الحکام" فرماکر کیا معاذ اللہ شرک کا درس دیا ہے؟۔

؎ خدا بچائے ہر بلا سے۔ خصوصاً وہابیت کی وبا سے۔

گکھڑوی صاحب خوارج کے قدم بہ قدم

پیش کردہ آیتوں کے یہ الفاظ کفار اور بت پرستوں کی تردید میں ہیں جیسا کہ ان کے سیاق و سباق سے متعین ہے جنہیں گکھڑوی صاحب نے مسلمانوں پر چسپاں کیا ہے جو خوارج کا طریقہ ہے اس سے موصوف کے شجرۂ طریقت کی وضاحت ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے تو کھولیں صحیح بخاری (عربی ج ۲ ص ۱۰۲۴ طبع کراچی)

اس میں امام بخاری خوارج کے متعلق رقمطراز ہیں۔ "وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ ویقول انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین"

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (یعنی جانوروں) سے (بھی) بدتر قرار دیتے تھے اور اسکی وجہ یہ بتاتے کہ انہوں (خوارج) نے کافروں کی تردید میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر فٹ کیا ہے اھ

بلکہ بعینہٖ گکھڑوی صاحب کے پیش کردہ انہی الفاظ "ان الحکم الا للہ" نے خوارج نے حضرت مولا علی کے دور خلافت میں آپ پر اور آپکے حامیوں پر پڑھ کر معاذ اللہ (حاکم یدھن ایشان) آپکی تکفیر کی اور آپکو مشرک تک کہا تھا۔ جس کا جواب آپ

نے ان لفظوں میں ارشاد فرمایا تھا "کلمۃ حق ارید بھا باطل" یعنی "ان الحکم الا للہ" کا ارشاد اپنی جگہ بجا ہے مگر باطل انداز سے اسے ظلماً ہم پر چسپاں کیا گیا ہے۔ (جیسا کہ آپ کی سوانح کی جملہ مبسوط کتب وغیرہا میں ہے)

خیر سے وہی سبق گکھڑوی صاحب نے دہرا کر اپنی اصلیت کو واضح کر دیا ہے پس ہم بھی حضرت امیر المؤمنین کے ان مبارک کلمات سے برکت حاصل کرتے ہوئے "کلمۃ حق ارید بھا باطل" ہی کو دہرا دینا کافی سمجھتے ہیں۔ **یا علی مدد**

متفرق مغالطات کا ردّ:

ہمارے اس بیان سے گکھڑوی صاحب کے اس مغالطہ کا بھی ردّ ہو گیا کہ "اگر ہم ....اختیار رکھتے تو سرو کے درخت میں آم اور بادام پیدا کر دیتے" الخ ملاحظہ ہو (راہ سنت صـ ۱۳) کیونکہ ہم عباد مقربین کے خالق ہونیکا عقیدہ نہیں رکھتے البتہ گکھڑوی صاحب اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کی معرفت خود اس کے جوابدہ ہیں کیونکہ انہوں نے ایک بزرگ کے متعلق تسلیم کیا ہے کہ وہ "اپنی لاٹھی کو فرماتے کہ ایک بہادر انسان کی صورت میں ہو جاؤ تو وہ فوراً اس صورت میں ہو جاتی ہے اور آپ اس کو اپنے کاموں میں بھیج دیتے تھے اور پھر وہ لاٹھی کی لاٹھی بن جاتی" ملاحظہ ہو (جمال الاولیاء صـ ۲۰۳ طبع لاہور)

اب دیکھیں گے کہ گکھڑوی صاحب پر ان کے حکیم الامت کی لاٹھی کیا رنگ لاتی ہے

قولہٗ: "تمام مخلوقات عالم ایک ذرۂ بے مقدار سے لیکر آفتاب عالمتاب تک ثریٰ سے لیکر ثریا تک اور فرش سے لیکر عرش تک اس کی تعمیل اور فرمانبرداری میں ہمہ تن مصروف اور بے اختیار ہے" ملاحظہ ہو (راہِ سنت صـ ۱۴)

اقول: اولاً: یہ بعینہٖ لفظوں کے ہیر پھیر سے وہی عقیدہ ہے جو گکھڑوی صاحب کے امام الطائفہ نے اپنی کتاب نام کی تقویۃ الایمان میں لکھ کر اپنی قوم کو سکھایا تھا جس کے لفظ یہ ہیں:

"جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" اھ ملاحظہ ہو (تقویتہ ص ۴۳ طبع میر محمد کراچی)

گکھڑوی صاحب نے الفاظ بدل دیئے ہیں تاکہ وہ اسے لفاظی کے زرلبفت پردہ میں عوام میں بآسانی گھسیڑ سکیں کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ اگر اسے تقویتہ الایمانی زبان میں اور امام الطائفہ کے انداز میں پیش کرتے ہیں تو سابقہ تجربات کی روشنی میں اس کا انجام اچھا نہیں کیونکہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور حب الرسول امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اسمائے گرامی بغیر القاب و آداب کے محض روکھے سوکھے انداز میں لینا کسی ماننے والے کا کام نہیں ہوسکتا۔

بہرحال امام الطائف نے بھی اپنے اس نظریہ کو دعویٰ کی حد تک چھوڑا اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی گکھڑوی صاحب بھی اسی ڈگر پر چلے ہیں۔ پس ان کا یہ دعویٰ ان کے جہلاء کو خوش تو کرسکتا ہے مگر اس سے اختیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفی ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ نہ تو کسی آیت کا ترجمہ ہے نہ کسی حدیث کا مضمون ہے بلکہ گکھڑوی صاحب کی حدیث نفس کا ثمرہ ہے۔

ثانیاً:۔ اگر اس کا یہ دعویٰ علی الاطلاق درست ہے تو آیت "فالمدبرات امراً اور قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم"، کا کیا مطلب ہوگا؟

ثالثاً:۔ گکھڑوی صاحب آپ نے محدث اعظم کشمیری صاحب کے اس قول کا کیا جواب دیں گے۔ کہ یہ تو ملک الموت تھے تو طمانچہ کلیم علی نبینا وعلیہ التسلیم کو برداشت کر گئے تھے اور اس سے ان کی صرف آنکھ پھوٹی تھی اگر آپ وہی طمانچہ کمال غضب، کیساتھ زمینوں اور آسمانوں کو رسید فرماتے تو" لاندقت السموٰت السبع والارض"، اس سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ریزہ ریزہ ہوجاتے (قالہٗ فی فیض الباری شرح صحیح البخاری)

اقول: پھر جب کلیم کی یہ طاقت ہے تو حبیب کی طاقت کا کیا عالم ہوگا؟

رابعاً: اس مقام پر گکھڑوی صاحب یہ لکھ رہے ہیں، انتہائی تعجب خیز دیکھئے کہ وہ اپنے اسی قلم سے اپنی اسی کتاب میں بالکل اسی سے متصل یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ مخلوقات عالم میں صرف انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس کو خدا تعالیٰ نے خاص قسم کی صلاحیت اور استعداد عطا فرماکر ایک محدود دائرہ میں آزاد ارادہ اور اختیار دے دیا ہے۔،، اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۴۰)

سبحان اللہ! جو عقیدہ ایک سطر پہلے بے اصل بے دلیل اور کفر و شرک تھا وہ بہ یک جنبش قلم کیسے توحید و اسلام بن گیا؟ اسی کو کہتے ہیں خدائی مار۔ نعوذ باللہ القہار

آخری کیل (اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گکھڑوی صاحب کے شیخ الہند کا فیصلہ:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں اتمام حجت کے طور پر گکھڑوی صاحب کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب کے دیوبندی کا فیصلہ بھی انہیں سنادیں۔ چنانچہ موصوف نے لکھا ہے ......،

"رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ ان کیلئے ہبہ کا جواز بایں معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں، جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ اگر کوئی صاحب پوچھیں گے اور فہیم ہوں گے تو شاید ہم اس بات کو آشکارا بھی کردیں القصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ واجب نہ تھا"، اھ

ملاحظہ ہو (ادلہ کاملہ ص۱۵۲ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱)

اسی طرح اس کی تسہیل میں مولوی سعید احمد پالنپوری مدرس مدرسہ دیوبند نے بھی لکھا ہے،

ملاحظہ ہو (کتاب مذکور ص۱۵۱ طبع مذکور)

نوٹ: مسئلہ ہذا کی جملہ تفاصیل مع الدلائل کیلئے امام اہلسنت اعلحضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب الامن والعلی کا مطالعہ کیا جائے جس میں آپ نے سینکڑوں آیات و احادیث کا انبار لگا کر اور مسئلہ ہذا کے بیسیوں مباحث کو سپرد قلم فرما کر دنیا کو حیران کر دیا ہے۔

اِقراریات

عنوان ہٰذا کے تحت گنگوہی صاحب نے خلاف نظریات خود بعض اُمور کا اقرار کر کے مذہبی خودکشی کا ارتکاب بھی کیا ہے۔

عطائی اختیار کا اقرار: چنانچہ عقیدۂ اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پر زور تردید کرنے بلکہ اسے شرک قرار دینے کے باوجود گنگوہی صاحب نے اسے عام انسانوں کے حق میں درست اور حقیقت ثابتہ ہونا بھی تسلیم کیا ہے۔ ان کے لفظ ابھی باحوالہ گذرے ہیں کہ "مخلوقات عالم میں صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کو خدا تعالیٰ نے .... آزاد ارادہ اور اختیار دے دیا ہے" ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۲ ربیع الاوّل شریف تاریخ وفات نبوی نہیں

آج کل دیوبندی حضرات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کی خوشیاں منانے کیخلاف عوام کو یہ مغالطہ بہت دے رہے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاوّل شریف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ہے جو غم کا باعث ہے اس لیے اس میں جلوس نکال کر اظہار مسرت کرنا جائز نہیں۔ گنگوہی صاحب نے اس مقام پر تاریخ مذکور کے وفات نبوی نہ ہونے کا اقرار کر کے اپنے سپوتوں کے اس لایعنی استدلال کی بھی بیخ کنی کر دی ہے لہذا کم از کم اب تو انہیں اس سے باز آجانا چاہیئے۔ چنانچہ گنگوہی صاحب نے لکھا ہے "آپ کی وفات حسرت آیات سے اکیاسی روز قبل ہزاروں کی تعداد ان قدسی صفات اور پاک نفوس کے بھرے مجمع میں میدانِ عرفات کے اندر نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے دن اور عصر کے وقت یہ اعلان کروایا گیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت

لکم الاسلام دیناً ط" اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۴۰)

اقول: گکھڑوی صاحب کی اس عبارت سے پیش نظر مسئلہ کے لئے وجہ استدلال یہ ہے کہ ان کے بقول آیت کریمہ الیوم اکملت دینکم الخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے اکیاسی روز قبل نویں ذوالحجہ کو نازل ہوئی تھی۔ اس کی رو سے اگر ذوالحجہ نیز اس کے بعد والے محرم اور صفر کو تینتیس تینتیس ۳۰ ایام یا انتیس انتیس ۲۹ کا یا ان میں سے کوئی سے دو کو تینتیس تینتیس ۳۰ اور ایک کو انتیس ۲۹ کا یا اس کے برعکس دو کو انتیس انتیس اور ایک کو تیس ایام کا فرض کریں تو ان میں سے کسی بھی صورت میں اکیاسیواں دن، ۱۲ ربیع الاول شریف کو قطعاً نہیں آتا۔ پڑھے لکھے دلچسپی رکھنے والے حضرات بے شک کیلکولیٹ کر کے دیکھ لیں۔

گکھڑوی جہالات:۔ واضح رہے کہ ہمارا یہ استدلال الزاماً ہے جیسا بالا اقرار کے ملاحظہ فرمالینے کیساتھ ساتھ گکھڑوی صاحب کی جہالات کا بھی مطالعہ کرتے چلیں

نمبر ۱:۔ ان کے حسب بیان مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں وفات نبوی کا یوم منگل ہی آتا ہے جو جہالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بالاتفاق پیر کے دن ہوئی۔ علاوہ ازیں تینوں مہینوں کو تیس تیس کا ماننے کی صورت میں گکھڑوی صاحب کے مطابق اکیاسیواں دن ۳۰ صفر آتا ہے جو موصوف کی ایک اور جہالت ہے کیونکہ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ مبارک ربیع الاول ہی ہوئی۔

فیاللعجب ولضیعۃ العلم والادب

دیوبندی معیارِ شرک کا قلع قمع: دیوبندی حضرات عموماً اشتراکِ لفظی کو بنیاد بنا کر کہا کرتے ہیں کہ جو لفظ اللہ کیلئے بولے جاتے ہوں۔ انہیں مخلوق کیلئے بولنا شرک ہے جیسے حاضر و ناظر اور مختارِ کل (وغیرھا) گکھڑوی صاحب نے یہاں اس کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ موصوف نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رؤف و رحیم کے لفظ لکھے ہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں:۔ "حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود رؤف و رحیم ہونے کے اپنی اُمت کو بہتر اعلیٰ اور مکمل طریقہ نہیں بتایا۔ اھ بلفظہٖ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۴)

جبکہ یہ الفاظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کیلئے بھی وارد ہوئے ہیں، حیث قال تعالیٰ "ان اللہ بالناس لرؤف رحیم"

پس اس دیوبندی اصول کے مطابق گکھڑوی صاحب مشرک ہوئے اور گکھڑوی صاحب اصول کے مطابق ان کے دیوبندی صاحبان باطل قرار پائے۔

سچ ہے۔ ع:۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

علم جمیع ماکان ومایکون کا اقرار:۔ گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر دبے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم جمیع ماکان ومایکون کا بھی اقرار کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی شان بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے "جمیع العلم فی القرآن لکن۔ تقاصر عنہ افہام الرجال"، ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۵)

یعنی ہر چیز کا جمیع علم قرآن میں ہے لیکن اس تک ہر شخص کی فہم نہیں پہنچتی۔

اقول: جب قرآن جمیع العلم کا جامع ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ تعلیم الٰہی جمیع قرآن کے جاننے والے ہیں (حیث قال تعالٰی فاذا قرأنا فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ) تو اس کا صاف نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمیع ماکان ومایکون کے عالم ہیں۔ یعنی جو ہو چکا اسے بھی اور جو ہونے والا ہے اسے بھی سب کو جانتے ہیں (والحمد للہ)

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

سرِ عرش پر ہے تیری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت وملک میں جو تجھ پہ عیاں نہیں

البتہ گکھڑوی صاحب یہاں ایک چستی یہ دکھا گئے ہیں کہ انہوں نے اس عربی شعر کو ترجمہ کے بغیر چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ اپنی "ازالۃ الریب" کو بھی کسی طرح تحفظ دے سکیں۔

اسلام کے مکمل دین ہونیکا مطلب

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے یہ عنوان قائم کیا ہے "کتاب اللہ کی صداقت اور دین اسلام کا مکمل ہونا اپنوں کی نگاہوں میں"، جبکہ اس سے قبل (ص۱۷) وہ یہ عنوان دے آئے ہیں کہ "قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے"۔

اس کے تحت انہوں نے دین اسلام کی تعریف میں بعض بزرگان ملت سے منسوب اقوال پیش کر کے آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھا ہے:۔ "غرضیکہ دین اسلام ایسا مکمل نظام عمل ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی اور ضابطہ کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے" اھ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۸)

اقول: گنگوہی صاحب کی یہ عبارات فی نفسہٖ قطعاً ہمارے خلاف نہیں۔ البتہ انہوں نے یہاں جو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ہر قسم کے مسئلہ کے ثبوت کیلئے کسی نہ کسی ایسی آیت یا حدیث کا ہونا ضروری ہے جس میں صراحت کے ساتھ اس کا نام لیکر اس کا حکم بیان کیا گیا ہو۔ ہرگز درست نہیں کیونکہ اسے صحیح مان لینے کی صورت میں اصول فقہ کے حوالہ سے عام اور مطلق کا کوئی مصرف باقی نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں متعلقات نصوص (عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص) بھی بے کلد ہو کر رہ جائیں گی۔ نیز فقہاء نے احکام کی جو گیارہ اقسام فرمائی ہیں۔ یعنی ۱ فرض ۲ واجب ۳ سنت مؤکدہ ۴ سنت غیر مؤکدہ اور ۵ مستحب یا مندوب، نیز ۶ حرام ۷ مکروہ تحریمی ۸ اساءت ۹ مکروہ تنزیہی اور ۱۰ خلاف اولیٰ اور ان کے درمیان ۱۱ مباح جسے خود گنگوہی صاحب کے حکیم الامت تھانوی صاحب نے بھی بہشتی زیور (طبع کراچی) میں تسلیم کیا ہے، یہ بھی عبث قرار پائیں گی۔

علاوہ ازیں گنگوہی صاحب کے پیش رو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے بھی اپنی کتاب براہین قاطعہ میں (جو موصوف کی راہ سنت کی زمین بھی ہے) متعدد مقام پر لکھا ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت کیلئے بعینہٖ صریح دلیل کا ہونا قطعاً ضروری نہیں بلکہ اس کے لئے اس کسی کلیہ کے تحت ہونا بھی کافی ہے ملاحظہ ہو اھ

علاوہ ازیں خود گنگوہی صاحب بھی اسے صراحت کیساتھ مان چکے ہیں چنانچہ شروع بحث میں انہوں نے لکھا ہے " دلائل اور براہین کی چار قسمیں ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ۔ اجماع اور قیاس "۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۱) اسی طرح ص۶۴ پر بھی لکھا ہے،
ولفظہٗ دلائل و براھین کی اصولی چار قسمیں ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ اجماع اور قیاس - اھ بلفظہٖ

جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ہر مسئلہ کیلئے ایک ہی قسم کی دلیل کا ہونا ضروری نہیں ورنہ دلائل شرعیہ کے چار اقسام ہونیکا کیا مطلب؟

اس سے بھی مزید واضح لکھا ہے :۔ "دین کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی مگر تکمیل دین کا یہ مطلب ہے کہ قواعد و ضوابط اور کلیات دین پورے طور پر مکمل ہو چکے تھے"، اھ بلفظہ ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صـ ۶۴)

اقول :۔ یہ عبارت بھی ما نحن فیہ میں صریح ہے کہ ثبوت کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مسئلہ کا نام لیکر اس کی وضاحت کی گئی ہو۔

ع :۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تکمیل دین کے متعلق پیش کردہ اقوال بزرگان سے جواب

اس سلسلہ میں گکھڑوی صاحب نے جن بعض بزرگان ملت کے اقوال سے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے ان کا جواب حسب ذیل ہے :

قول فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ :۔

انا کنا اذل قوم فاعزنا اللہ بالاسلام فمهما نطلب بغیر ما اعزنا اللہ اذلنا اللہ"، ملاحظہ ہو (راہِ سنت صـ ۱۵ بحوالہ مستدرک حاکم۔

اقول :۔ اس کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ دین اسلام سے روگردانی باعثِ ذلت ہے جو لفظوں سے ظاہر ہے یہ اس کے کس لفظ کا معنی ہے کہ دین مکمل ہونیکا مطلب ہر ہر مسئلہ کے حکم کا من وعن بیان کرنا ہے جبکہ گکھڑوی صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں کہ تکمیل دین کا مطلب تکمیل کلیات ہے نہ کہ جزئیات جیسا کہ ابھی ان کی راہ سنت سے باحوالہ گذر چکا ہے

علاوہ ازیں حضرت فاروق اعظم کا یہ قول خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے
کیونکہ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جو دین کا کامل متبع ہو وہ عند اللہ معزز ہوتا ہے اسے ذلیل
سمجھنا خود عزت دین پر بٹہ لگانا ہے جبکہ گکھڑوی صاحب کا (ان کو ان کے اپنے اکابر سے ورثہ
میں ملا ہوا) عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے چنانچہ موصوف کے امام الطائفہ نے اپنی قوم کو
اپنے جن نظریات کی تلقین کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ
کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے ،، اھ
ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان ص طبع) والعیاذ باللہ العظیم
یاد رہے کہ گکھڑوی صاحب نے اس عبارت کے درست ہونے کی پر زور حمایت اور تائید کی ہے۔
ملاحظہ ہو ان کی کتاب (عبارات اکابر حصہ اول ص طبع)
سچ ہے سہ ع: جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ پس گکھڑوی صاحب کا حضرت فاروق
اعظم کے اس قول کو اپنے عندیہ کا مؤید سمجھ کر پیش کرنا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف
ہے

قول عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ:۔ گکھڑوی صاحب نے سیرت ابن جوزی
نامی کسی کتاب نیز غرناطی کی الاعتصام کے حوالہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ
کی ایک تقریر کے کچھ حصہ کو نقل کرنے کے بعد ان سے منسوب یہ جملہ نقل کیا ہے:۔ کہ الا وانی
لست بمبتدع ولکنی متبع ،، خبردار میں بدعتی نہیں بلکہ میں تو متبع ہی ہوں ،، سنت
اھ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۵ ص۱۶)
اقول:۔ **اولاً**:۔ گکھڑوی صاحب نے خود لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات ۱۰۱ھ
میں ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۵)

اس حساب سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور گکھڑوی صاحب کے درمیان تقریباً بارہ سو پچہتر (۱۲۷۵) برس کا فاصلہ ہے۔ نہ معلوم بغیر سند کے یہ روایت کیونکر کام دے گئی جبکہ دوسروں کیلئے ان کا معیار کچھ اور ہے جبکہ "سیرۃ ابن جوزی"، نہ تو مستند کتاب ہے اور نہ ہی اس فن کی بلکہ وہ ایک غیر معروف اور بے سند کتاب ہے پس اسے پیش کرنا "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا"، کا آئینہ دار ہے جس کی حیثیت "آواز آندی اے" سے بڑھ کر نہیں اسی طرح صاحب الاعتصام کی وفات بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات سے تقریباً پانچ سو نواسی ۵۸۹ برس بعد ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ ان کے حوالہ سے بھی اس کی سند درکار ہے جس کی گکھڑوی صاحب آنکھیں بند کر کے یا عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آگے گذر گئے ہیں لہذا اولاً سرے سے اس روایت کی صحت ہی محل نظر ہے۔

ثانیاً:۔ اس سے بھی قطع نظر اس کا کوئی ایک لفظ بھی قطعاً ایسا نہیں جسے گکھڑوی دعویٰ سے کچھ مطابقت ہو اور وہ ان کے مدعا کی صحیح معیاری دلیل بن سکے۔

ثالثاً:۔ بلکہ بر تقدیر تسلیم یہ روایت خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے شریعت کے دلائل کی تعداد چار لکھی ہے۔ کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ، اجماع اور قیاس جیسا کہ کئی بار یا حوالہ گذر چکا ہے۔ جبکہ ان کی پیش کردہ اس روایت میں صرف کتاب اللہ کا ذکر ہے باقی تین کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ خود گکھڑوی صاحب نے اس کا اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھا ہے :"

"خدا تعالیٰ نے جو مکمل کتاب آپ پر نازل کی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب آنیوالی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو چیز حلال کر دی ہے وہ قیامت تک حلال رہے گی۔ الخ

ملاحظہ ہو (راہ سنّت صفحہ ۱۵)

لَستُ بِمُبتَدِعٍ سے جواب: باقی رہے یہ الفاظ الاوانی لست

بمبتدع الخ ؟ تو بر تقدیر تسلیم ان کا یہ مطلب کہاں ہے کہ اہلسنّت بدعتی ہیں۔ پس یہ دراصل اسے ہی مضر ہو سکتے ہیں۔ جو واقع میں بدعتی ہو۔ جو ہماری تحقیق کے مطابق درحقیقت خود گکھڑوی صاحب۔ اور ان کی "مقدس جماعت" کے "محترم ارکان" ہی ہیں جس کے کچھ دلائل گزر چکے ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں۔ جبکہ وہ ہمیں بحمد اللہ تعالیٰ نہ تو بدعتی ثابت کر سکے ہیں اور نہ ہی ثابت کر سکتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ حقیقت ان کے مغالطات ہیں جن کے دلدل میں گکھڑوی صاحب۔ ایسے پھنسے ہیں اور اپنی قوم کو بھی ایسا پھنسوا دیا ہے کہ اس سے جان بچا کر صحیح سلامت نکل جانا بھی ان کیلئے ممکن نہیں جس کی مع مالہ وما علیہ مکمل تفصیل متعلقہ باب میں آ رہی ہے۔

قول مالک رضی اللہ عنہ: من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم الآیة فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا"

ملاحظہ ہو (راہِ سنّت ص۱۱۶ بحوالہ الاعتصام للشاطبی)

اقول: اوّلاً:۔ بر تقدیر تسلیم مؤلف الاعتصام اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان کم و بیش چھ سو گیارہ برس کا فاصلہ ہے۔ کیونکہ امام مالک کی وفات خود حسب تصریح گکھڑوی صاحب ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۱۶)

جبکہ صاحب الاعتصام ۷۹۰ھ میں فوت ہوئے ملاحظہ ہو (مقدمہ الاعتصام

صنا طبع بیروت) تو کیا اس کی سند کی ضرورت نہیں؟ اور کیا بلا سند ان کی تقریبہ نام ہے
ثانیاً: اس میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ تکمیل دین کا مطلب فرداً فرداً تمام جزئیات کے احکام کی تکمیل ہے جبکہ وہ خود گکھڑوی صاحب کی تصریح کے بھی خلاف ہے۔

اور اس میں مزید تفصیل وہی ہے جو قول عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے جواب میں آخر میں گذری ہے کہ اس میں بدعت سیئہ کی مذمت ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں نیز یہ صرف اسی کو مضر ہے جو اس کا مصداق ہوگا اور وہ خود گکھڑوی صاحب مع قوم خود ہیں نہ کہ ہم۔

قول علی المتقی رحمہ اللہ تعالیٰ:- قول علی المتقی رحمہ اللہ تعالیٰ جس کا تعلق بقول گکھڑوی صاحب مسئلہ تیجہ (قل خوانی) سے ہے جسے انہوں نے بقول ان کے اس کام کے کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ پر لعن کرنیوالا اور یہ الزام لگانے والا بتایا کہ انہوں نے شریعت کو مکمّل نہیں کیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم** الآیۃ (ملخصاً) ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص۱۶، ص۱۷)

اقول:- اوّلاً:- گکھڑوی صاحب نے حضرت علی المتقی کا نام اس طرح لکھا ہے: علامہ حسام الدین علی المتقی الحنفی (المتوفیٰ ۹۷۵ھ) ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۶)

جو غلط ہے کیونکہ حسام الدین آپ کا نام نہیں آپ کے والد ماجد کا نام ہے چنانچہ حضرۃ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپکا نام اس طرح لکھا ہے "شیخ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان المتقّی القادری الشاذلی المدینی الجشتی رحمۃ اللہ علیہ کاملۃ واسعۃ تامّۃ"

ملاحظہ ہو (اخبار الاخیار فارسی ص۲۵۷ طبع سکھر)

نیز آپ نے خود اپنے وصیت نامہ میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے: "ھذا ما اوصی

بہٖ الفقیر الی اللہ، علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی"

ملاحظہ ہو اخبار الاخیار فارسی ص۲۵۸ طبع مذکور)

ثانیاً:۔ گکھڑوی صاحب نے شیخ رحمہ اللہ سے منسوب عبارت کو نقل کرنیکے بعد اس کے

صحیح ثبوت کے طور پر حضرت کی کسی تصنیف یا تالیف کا حوالہ دینے کی بجائے اتنا لکھا ہے "،

بحوالہ تفہیم المسائل ص۱۷۲ "، ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۱۷)

"بحوالہ" کے لفظوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرت کی نہیں کسی اور کی تصنیف یا تالیف

ہے پھر یہ بھی انہوں نے واضح نہیں کیا کہ اس (محولہ) کتاب کا مؤلف یا مصنّف کون ہے جس

کا واضح مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی صحیح دستاویز کے پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں لہذا

اس کی حیثیت "آواز آندی اے"، سے زیادہ نہیں۔ پس جب ان کا اعتراض بھی مکمل نہیں تو ہم

جواب دیں تو کس امر کا دیں؟

درحقیقت گکھڑوی صاحب نے اس سے اپنے پیش رو گنگوہی صاحب کی سنت پر

عمل فرمایا۔ انہوں نے بھی فتاوٰی رشیدیہ (ص۱۲۶ طبع محمد علی کراچی) میں ایک جگہ اسی انداز

سے تفہیم المسائل کا حوالہ دیا اور اسے بے نسب چھوڑا ہے۔

پس ع: ایں خانہ ہمہ آفتاب است

چنانچہ اس میں لکھا ہے "کذا فی التفہیم المسائل"۔ "کذا فی"

کا مفہوم ہے "بحوالہ" باقی "التفہم" غلط کتاب یا زور علم کی بنا پر ہے۔ صحیح "تفہیم" ہے

ثالثاً:۔ اس سے بھی قطع نظر کر لیجائے تو بر تقدیر تسلیم یہ عبارت خود گکھڑوی صاحب

کے خلاف ہے کیونکہ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ دین کی تکمیل باعتبار تکمیل احکام جزئیہ

ہوئی جبکہ موصوف اس کے خلاف لکھ کر دے چکے ہیں کہ "تکمیل دین کا یہ مطلب ہے کہ قواعد وضوابط اور کلیات دین مکمل ہو چکے تھے"۔ (کما فی راہ سنت ص۶۴ کما مرّ مراراً)

پس جو چیز خود موصوف کی دلیل نہیں اور جسے وہ خود نہیں مانتے اسے وہ ہم پر دنیا کی کس عدالت کے انصاف کی رو سے ٹھونس رہے ہیں؟ خدارا انصاف۔

رابعاً: حضرت شیخ سے اس کی نسبت کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ عبارت خود ان کے اپنے معمولات کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل گردانا گیا ہے جیسا کہ عبارت ہذا کے الفاظ "حیث لم یبیّنوا"، سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ گکھڑوی صاحب نے اس طرح لکھا ہے کہ "انہوں نے اس کو بیان نہیں کیا"

ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۶)

معمولات شیخ میں سے اشغال صوفیہ بھی ہیں۔ جن پر وہ سختی سے کاربند تھے جس کی ایک دلیل ان کا صوفی ہونا بھی ہے۔ نیز تفصیل دیکھنے کیلئے ملاحظہ ہو (اخبار الاخیار ترجمہ حضرت علی المتقی) پس یہ عبارت ان پر مدسوس ہوئی۔

خامساً: عبارت ہذا میں یہ لفظ بھی ہیں" ولا فیہا استحباب ولا فیہا منفعۃ ولا مصلحۃ فی الدین"، جس کا ترجمہ گکھڑوی صاحب نے یوں کیا ہے "اور نہ مستحب نہ تو اس میں کوئی دینی فائدہ ہے اور نہ اس میں کوئی دینی مصلحت ہے"، ملاحظہ ہو راہ سنّت ص۱۶)

جبکہ تیجہ اور قل خوانی ایصال ثواب ہے جو قرآن وسنّت کے بے شمار دلائل اور خصوصی ہمارے ائمۂ احناف کی متعدد تصریحات نیز گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر کی عبارات بلکہ خود گکھڑوی صاحب کی عبارات کی روشنی میں مسلمانوں کیلئے مفید ونافع اور باعث مغفرت ہے اور شرعاً

مطلوب ہے جس کی مکمل تفصیل مسئلہ ایصال ثواب کی بحث میں آگے آئے گی۔

سردست اسے ہم خود گکھڑوی صاحب کی ایک عبارت سے ثابت کئے دیتے ہیں چنانچہ موصوف نے لکھا ہے۔ "میت کیلئے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ وخیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اسی طرح نفلی نماز روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہونچانا جائز اور صحیح ہے" ملاحظہ ہو (راہِ سنّت ص۲۶۰)

پس یہ عبارت خود گکھڑوی صاحب کے خلاف نیز حضرت شیخ کے حنفی ہونیکے ناطے سے فقہ حنفی کے خلاف واقع ہونے کے باعث بھی خلاف ہے جو اس کے ان پہ مدسوس ہونے کی ایک اور دلیل بھی ہے۔

حضرت شیخ کا حنفی ہونا گکھڑوی صاحب کے ان لفظوں سے ظاہر ہے "علامہ حسام الدین علی المتقی الحنفی" ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۶)

اگر گکھڑوی صاحب یہ کہیں کہ تیجہ میں چونکہ وقت کی تعیین ہوتی ہے جو مطلق کو مقید اور عام کو مخصوص کرنیکے مترادف ہے اور یہی اس کے لئے وجہ حرمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

نمبر ۱:۔ برتقدیر تسلیم یہ گکھڑوی صاحب کی ذاتی ایجاد اور خانہ ساز تاویل اور ایسی توجیہہ ہے کہ مالا یرضی بہا قائلہا ۔ ورنہ عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو تعیین وقت کی وجہ سے اس کا ممنوع ہونا بیان کرتا ہو۔

علاوہ ازیں لیس فیہ فرضیۃ الخ کہہ کر اس کی جو توجیہہ کی گئی ہے وہ بھی اس سے اباء کرتی ہے۔ رہی یہ توجیہہ؟ تو اس کا جواب ابھی کے تحت گذر چکا ہے۔

نمبر ۲:۔ علاوہ بریں مسئلہ ایصال ثواب کے حوالہ سے مطلق وعام میں بلا

دلیل شرعی تقیید و تخصیص کے مرتکب بھی خود مانعین ہی ہیں جن کی ٹھیکیداری گکھڑوی صاحب کے ذمہ ہے کیونکہ جب وہ مطلق ایصال ثواب کے قائل ہیں جیسا کہ ابھی کے تحت انکی عبارت گذر چکی ہے تو اصولی طور پر تیجہ بھی اس کا فرد ہونیکے حوالہ سے اس میں داخل ہوکر جائز اور درست ہے۔ تو وہ خود ہی شرعی جائز امر کو اپنی طرف سے ناجائز قرار دیکر اُسکی شرعی حیثیت کو تبدیل اور دین میں تحریف کر رہے ہیں اور اسی کا نام بدعت سیّئہ ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اس کی شرعی حیثیت کے مغیّر نہیں کیونکہ ہم تو تعین عرفی کے قائل ہیں جو محض بغرض سہولت کیجاتی ہے جس کا جواز دلائل شرعیّہ کے علاوہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی مسلّم اکابر سے بھی ثابت ہے جس کی مکمّل تفصیل اپنے مقام پر آرہی ہے۔

فليلاحظ ذٰلك هناك

سابعًا:۔ پیش نظر عبارت میں الاجتماع فی الثالث سے مراد اگر وہ اجتماع ہو جس میں لوگ (بر تقدیر تسلیم) منکرات شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوں اور بر تقدیر تسلیم حضرت شیخ اس کی مذمت بیان فرما رہے ہوں تو یں عین ممکن ہے جو ہمارے قطعاً خلاف نہیں جبکہ یہ مذمت بھی محض اسی حسب بالا نوعیّت کے اجتماع سے متعلق رہے گی اور انہی منکرات کے مرتکبین یا ان کے مجوزین ہی تک محدود رہے گی جس سے جائز شرعی طریقہ سے ایصال ثواب پر ہرگز زد نہیں پڑے گی ورنہ اس کی زد میں خود مانعین بھی آجائیں گے کیونکہ ان کے حسب اصول ان کا بھی کوئی معمول ایسا نہیں جس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو جبکہ ہر خرابی کی جڑ وہ خود ہی ہیں (الا انهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون منهم تخرج الفتنة واليهم تعود۔ صدق الله العظيم وصدق رسوله الكريم)۔

ثامناً:۔ اس سبب سے قطع نظر کر لیجائے تو بھی گکھڑوی صاحب کی تقریب اس عبارت سے تام نہیں ہوتی کیونکہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں اثبات دعویٰ کے لئے جو معیار مقرر کیا ہے اس کے مطابق برتقدیر تسلیم حضرت شیخ المتقی کا یہ قول اس سے خارج ہے کیونکہ شرعی دلائل چار بیان کئے ہیں۔ قرآن، سنّت، اجماع اور قیاس (راہ سنّت ص۱۱ ص۶۴) جب کہ شیخ موصوف کا یہ قول ان چاروں میں سے کسی بھی مد میں نہیں آتا چنانچہ اثبات مدعا کے حوالہ سے نہ تو اس میں کوئی صریح آیت پیش کی گئی ہے اور نہ ہی کوئی صحیح صریح حدیث اس میں مذکور ہے اور نہ ہی اس پر اجماع کے قائم ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ رہا قیاس؟ تو اس سے مراد خود حسب تصریح گکھڑوی صاحب۔ ائمہ مجتہدین کا قیاس ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں" "لیکن شرط یہ ہے کہ مجتہد صحیح معنیٰ میں مجتہد ہو" ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۵۸)

جبکہ شیخ موصوف کا معتبر فی الباب مجتہد ہونا محتاج دلیل ہے نیز ان کا مقلد ہونا ان کے نام کے ساتھ گکھڑوی صاحب کے "الحنفی" لکھنے سے بھی ظاہر ہے (کما مرّ)

علاوہ ازیں حضرت شیخ صوفیا رکرام میں سے ہیں۔ تفصیل کیلئے اخبار الاخیار میں ان کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ جبکہ گکھڑوی صاحب نے صوفیا رکرام کے متعلق لکھا ہے "محض صوفیوں کی باتیں بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں" (اس سے تھوڑا سا آگے نقل کیا ہے)

"اور جو عابد و زاہد اہل اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہو گی۔"
ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۶۱)

پس شیخ موصوف کا قول (اگر صحیح ہو بھی سہی تو بھی) خود گکھڑوی معیار سے بھی ساقط ہونے کے باعث ان کے لفظوں میں وہ خود "عوام میں داخل ہیں"، اور ان کے

قول کی بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں" اور اس کا کچھ اعتبار نہیں"۔

جبکہ اس میں مذکور الفاظ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ

کا بھی یہ معنیٰ نہیں کہ قل خوانی اور تیجہ حرام ہے اور نہ ہی اس میں اثبات حرمت کا کوئی ایسا

کلیہ بیان کیا گیا ہے جو تیجہ پر صادق آتا ہو لہذا یہ عبارت (مبحث فیہا) گکھڑوی صاحب

کے لفظوں میں اُصول اور معتبر کتابوں کے مطابق" نہ ہوئی۔

(وھو المقصود والحمد للّٰہ المعبود)

قول شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ:- جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ مجدّد

رحمۃ اللہ علیہ نے بدعات کا ارتکاب کرنیوالے کچھ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے انکی مذمّت

بیان فرمائی اور ان کے اس اقدام کو آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے خلاف

بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص۱۷۱ بحوالہ مکتوبات حصّہ چہارم مکتوب ص۲۶)

اقول:- یہ بھی گکھڑوی صاحب کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ اس کے بھی کسی

لفظ کا یہ معنیٰ نہیں کہ تکمیل دین سے مراد تکمیل احکام جزئیہ ہے جبکہ خود گکھڑوی صاحب بھی

اس سے مراد تکمیل کلیات ہی لیتے ہیں (کما مرّ مراراً)

نیز اس میں اہلسنّت کے معمول یا نظریّہ کو براہ راست چوٹ کا نشانہ بنا کر اس کی

مذمت نہیں بیان کی گئی بلکہ اہل بدعت کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے لہذا اس کی زد میں بھی صرف وہی

آئے گا۔ جو واقع میں بدعتی ہو گا۔

شیخ مجدّد کی ایک عبارت کی وضاحت:- باقی جو حضرت شیخ مجدد کی ایک

اور عبارت سے مغالطہ دیا جاتا ہے کہ کوئی بدعت، حسنہ نہیں ہوتی؟ تو یہ حضرت کی خاص

اصطلاح ہے جس کے مطابق "بدعت حسنہ" سنّت کا دوسرا نام ہے جس کی مکمل با حوالہ تفصیل
"باب دوئم"، میں آ رہی ہے پس یہ بھی مانعین خصوصًا امام الطائفۃ (المانعۃ گکھڑوی
صاحب) کو کس طرح مفید نہیں۔

قول علامہ ملا علی القاری:- قال اللّٰہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم
دینکم الآیۃ فلا نحتاج فی تکمیلہ الی امر خارج عن الکتاب
والسنّۃ" اھ (ملاحظہ ہو راہ سنّت ص۱۸ بحوالہ شرح فقہ اکبر ص۱۰)

اقول:- یہ عبارت مسئلہ توحید کی بحث میں مسائل الاعتقادیہ سے متعلق لائی گئی ہے
جس کی دلیل گکھڑوی صاحب کی منقولہ عبارت سے پہلے والی یہ عبارت بھی ہے " فلم یحوج
جنا ربنا سبحنہ وتعالیٰ الی رأی فلان وذوق فلان ووجد فلان
فی اصول دیننا" یعنی رب سبحانہ وتعالیٰ نے اصول دین میں ہمیں (کتاب وسنّت کے
ذریعہ) کسی کی رائے، ذوق اور وجدان کی جانب رجوع لانے سے مستغنی فرما دیا ہے اھ
ملاحظہ ہو (شرح فقہ اکبر ص۱۰ طبع قدیم)

علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کے نقل کردہ الفاظ قال اللّٰہ تعالیٰ" سے پہلے
بل کا لفظ ہے جو ما قبل سے ان کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے یہ بھی اس امر کا واضح قرینہ
ہے کہ صاحب موصوف نے سیاق وسباق سے ہٹ کر ادھورا اور محض من مانا جملہ نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس میں بھی یہ قطعًا نہیں ہے
کہ تکمیل دین کا مطلب تکمیل جزئیات ہے ہو بھی سہی تو یہ خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ
وہ واضح لکھ چکے ہیں کہ تکمیل دین سے مراد تکمیل کلیات ہی ہے لا غیر (جیسا کہ بارہا گذر چکا
ہے) نیز اگر " اصول دیننا" میں مذکور اصول سے مراد عقائد کی بجائے کلیات دین ہوں

تو اس سے گکھڑوی استدلال کا بطلان روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائیگا کیونکہ اس صورت میں اس کا صاف اور صریح مفہوم یہ بنے گا کہ دین کی تکمیل اس کے کلیات کی تکمیل سے ہوئی نہ کہ احکام جزئیہ کی تکمیل سے جو ظاہر ہے کہ گکھڑوی استدلال کے بالکل الٹ ہے۔

علاوہ ازیں اس میں دو چیزوں کا دلیل ہونا مذکور ہے یعنی کتاب و سنّت جبکہ گکھڑوی صاحب دلائل کی تعداد چار لکھ چکے ہیں۔ تیز سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں "الیٰ رائی فلان" سے قیاس واجتہاد پر چوٹ نکلتی ہے یہ بھی گکھڑوی معیار کے خلاف ہے۔ پس یہ عبارت کئی وجوہ سے خود گکھڑوی صاحب کے خلاف ہوئی۔ لہٰذا ان کا اسے اپنی دلیل اور ہمارے خلاف سمجھ لینا ان کی خوش فہمی ہے۔

قرآن کی حقانیت اور دین اسلام کی عظمت غیروں کی نگاہ میں

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے یہ عنوان دیا ہے،

"قرآن کی حقانیت اور دین اسلام کی عظمت غیروں کی نظر میں"

جس کے تحت انہوں نے کئی غیر مسلموں کے اقوال درج کر کے کتاب کے چار صفحات پر کر دیئے ہیں جس سے مقصود، کتاب کا حجم بڑھا کر عوام پر رعب ڈالنے کے سوا کچھ نہیں ورنہ اس میں اس کی کچھ حاجت نہیں تھی کیونکہ موصوف نے یہ کتاب اہلسنّت وجماعت کو بدعتی بنا کر پیش کرنے کی غرض سے ان کے خلاف لکھی ہے جو قطعی طور پر قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس اگر گکھڑوی صاحب کو کچھ شک تھا اور انہیں یہ شوق پورا کرنا ہی تھا تو وہ حسب زعم خویش انہیں یقین دلانے کے لیے وہ ان ہی کے بزرگوں کے اقوال کو ہی لاتے لہٰذا موصوف کا یہ صنیع خلاف مقتضاء حال ہو کر ان کے علم بلاغت میں بے بہرہ ہونے کی بین دلیل ہے۔

بے جوڑ نتیجہ:- پھر آخر میں اس سے انہوں نے جو بے جوڑ نتیجہ برآمد کیا ہے۔ وہ لائق مطالعہ ہے۔ پڑھیئے اور موصوف کی علمی قابلیت کی داد دیجیئے۔ فرماتے ہیں،،:-

"انگریز کا تو بہر حال یہ پروگرام تھا کہ وہ مسلمانوں کی متاع ایمان کو کالجوں سینماؤں اور کلبوں کے ذریعہ لوٹتا مگر افسوس صد افسوس تو مسلمانوں پر ہے جنہوں نے اس مکمّل کتاب کی قدر نہ کی اور اس سے ہدایت اخذ کر کے نجات اور صحت جسمانی حاصل نہ کی" اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص ۲۲)

اقول: عنوان کے تقاضے کے مطابق گکھڑوی صاحب کو کہنا یوں چاہیئے تھا کہ جب غیر مسلم بھی قرآن

کو اتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو مسلمانوں کا فرض بنتا تھا کہ وہ بھی پوری قوت سے اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر اس کی قدر کرتے۔

باقی انہوں نے جو اپنی اس عبارت میں قرآن سے ہدایت کے حاصل نیز اس کی قدر نہ کرنے کا رونا رویا ہے اس کے سچے مصداق خود الٰہی کے اہل دیوبند ہیں کیونکہ اس میں انہوں نے ان کے لئے متاع ایمان کے لوٹے جانے کا ذکر کیا ہے جبکہ انہوں نے یہ کتاب ہمیں ایمان کے بغیر دکھانے ہی کیلئے وضع کی ہے۔ پس ان کے ان کلمات تأسف کے مصداق بھی ان کے اپنے ہی ٹھہرے (وھو المقصود)

بے جوڑ حوالے :۔ گکھڑوی صاحب نے یہ عنوان قائم تو اس لئے کیا تھا کہ وہ اس کے تحت غیر مسلموں کے ایسے حوالے لائیں گے جن سے قرآن کی حقانیت وصداقت کا اعتراف واضح ہو گا جسے انہوں نے شروع شروع میں چلایا بھی مگر چلتے چلتے اپنی ڈگر سے اتر کر آخر میں ایسے حوالے بھی دیئے گئے جو عنوان کی قدروں کے بالکل منافی ہیں۔ چنانچہ حوالہ نمبر ۱۸ کے بعد وہ ایک غیر مسلم کا یہ قول بھی نقل کر گئے کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی ،، ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۱)

فیاللعجب ولفیعۃ العلم والادب۔

انگریزوں سے نیاز مندی :۔ عنوان ہذا کے تحت انگریز اور غیر مسلم مفکرین کے حوالہ جات نقل کرتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے بعض اعداء اسلام کو صاحب اور فاضل کہہ کر ادب اور نیاز مندی سے ان کے نام لکھے ہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں ”پادری عماد الدین صاحب،، نیز ”گبن صاحب،، نیز ”مشہور جرمنی فاضل گوئٹے،،

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۰ ص۲۱)

نجدی ٹولہ واہ بھئی واہ۔

ظاہری کلمہ، ایمان کیلئے کافی نہیں:۔ عرب وعجم کے علمأ اسلام نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی سربراہی میں گستاخانہ عبارات کی بنا ر پہ بعض علمار دیوبند (اکابر گکھڑوی) کی تکفیر فرمائی۔ جوابی کاروائی کے طور پہ ان لوگوں نے شروع ہی سے عوام کو یہ مغالطہ دیا کہ دیکھو کتنے بڑے ظلم کی بات ہے اہلسنت نے کلمہ پڑھنے والوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیدیا ہے۔ گکھڑوی صاحب نے اپنی راہ سنّت کے اس مقام پہ اس مغالطہ کو یوں رد فرما دیا ہے کہ کفریات پر قائم رہتے ہوئے محض کلمہ پڑھ لینا یا قرآن و اسلام کی تعریف کر دینا مسلمان اور مؤمن کے لئے کافی نہیں ورنہ تو ان اعدأ اسلام (پادریوں اور غیر مسلم مفکّروں) کو بھی مسلمان کہنا ماننا پڑیگا جنہوں نے اپنے عقائد کافرانہ سے تائب ہوئے بغیر قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تعریفی کلمات لکھ دیئے ہیں جس پہ وہ (کم ازکم اس مقام پہ) ہمارے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں۔

مباحث سُنّت (یعنی حدیث)

وحی غیر متلو اور حدیث

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ جس میں بنیادی طور پر حدیث نبوی علیٰ صاحبہ السلام کی حجیّت نیز اس کے دلیل شرع ہونے کو بیان کیا گیا ہے جو فی نفسہٖ ہمارے خلاف نہیں کہ اہلسنّت بفضلہٖ تعالیٰ محض زبانی دعوؤں کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر بھی سب سے زیادہ مانتے ہیں البتہ حسب عادت اس میں بھی جو انہوں نے بعض تجاوزات کئے یا جوش میں آکر بے خبری میں اپنے اوپر وار کرکے خود کو ڈھیر کیا۔ ان کی نشاندہی نیز حسب ضرورت ان کا رد کردینا ضروری ہے جو حسب ذیل ہے۔

اقرار علم غیب للنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

گکھڑوی صاحب نے عنوان ہٰذا کے تحت حدیث کا وحی خفی اور منزّل من اللہ ہونا تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ہدایت کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کو وحی خفی یا وحی غیر متلو اور حدیث کہا جاتا ہے........... اور اسی کو سنّت رسول اللہ کہا جاتا ہے اور اس وحی خفی کے ذریعہ دی ہوئی تعلیم کا نام قرآن مجید میں حکمت لیا گیا ہے وانزل اللہ علیک الکتٰب والحکمۃ،، اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۲)

اقول: یہ اس امر کا کھلا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی واسطہ کے براہ راست بھی علم عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہو کہ وحی خفی کو بھی بہر صورت حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لایا کرتے تھے جبکہ اس کے برعکس آپؐ کے براہ راست نزول والقار کے دلائل موجود ہیں جن میں سے اس کی ایک عمدہ مثال قرآن مجید (پ۲۸) کی سورۂ تحریم کی آیت (۳) بھی ہے۔

اللہ جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔ **فلما نبأھا بہٖ قالت من انبأک ھٰذا قال نبأنی العلیم الخبیر۔** یعنی جب علیہ السلام کی ایک زوجہ مطہرہ نے ایک راز کی بات اپنی سوکن کو بتادیں اور آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہ بات اس کو بتادی ہے وہ کہنے لگیں آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے **علیم خبیر** (یعنی اللہ جل جلالہٗ) نے بتایا ہے۔ **وللہ الحمد**

آیت میں اضافہ: باقی اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے جو آیت میں اضافہ کرتے ہوئے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** لکھا ہے جسے غلط کتابت پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا کہ اضافہ شدہ الفاظ کو وہ ترجمہ میں بھی لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۲-۲۳) اس کی مکمل وضاحت گذشتہ صفحات میں زیر عنوان آچکی ہے (**فاحفظہ فانہ ینفعک کثیراً عن کثیر من اعتراضات الگکھڑوی علی مصنفات علمائنا حول سھو الکتاب**)

مسئلہ اختیار میں گکھڑوی قلابازیاں:۔ اسی طرح مسئلہ اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے قلابازیاں کھاتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے جو یہاں رنگا رنگ عبارات لکھیں مثلاً اس کا اقرار کرتے ہوئے قرآن کے حوالہ سے لکھا ہے۔ "سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ایسی ضروری ہے جیسی کتاب اللہ کی"

(ملاحظہ ہو دراہِ سنت ص۲۲ ص۲۳)

پھر چلتے چلتے طبیعت بگڑی تو یہ لکھ گئے "رسول کا کام صرف دین حق کی تبلیغ کرنا ہے دین کا بنانا نہیں،، ملاحظہ ہو (ص۲۳)

پھر طبیعت سنبھلی تو یہ لکھ دیا "اور اس لئے وہ مطاع ہوتا ہے اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوتی ہے،، (کمافی ص۲۳)

اس سب کی تفصیل بھی گذشتہ صفحات میں "قانون سازی کا منصب کس کو حاصل ہے،، کے زیر عنوان آچکی ہے۔

سُنّت کا مقام صاحبِ سُنّت کی نگاہوں میں

اس عنوان کے تحت گکھڑوی صاحب نے پانچ احادیث اور حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا ایک قول نقل کر کے یہ بیان کیا ہے کہ اتباع سنّت از حد لازم ہے اور یہ تأثر دینے کی مذموم سعی کی ہے کہ وہ اور ان کی جماعت تو کامل طور پر متبع سنّت ہیں جبکہ اہل سنّت اس سے بالکل برگشتہ ہیں جیسا کہ ان کے ان طنز آمیز لفظوں سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ "اس سے بڑھ کر تارک سنّت کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ میرا (امتی) نہیں ہے۔ گو وہ اپنے مقام پر آپ کا محب بنتا رہے"۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۵ آخری سطریں)

مگر اتنا ہی اعلان کرنے کے بعد وہ عنوان کو سمیٹنے لگے اور یہ بتانے کی تکلیف گوارہ نہیں فرمائی کہ آخری سنّت کہتے کس کو ہیں اور اس کی کتنی اقسام ہیں اور یہاں اس کی کونسی قسم مراد نیز اس کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟ کیونکہ اس سے سارا بھید کھل جانے کا خطرہ تھا بلکہ اس میں وہ جس سخت اضطراب کا شکار ہیں وہ بھی لائق دید ہے چنانچہ وہ کبھی تو اسے سنّت فقہی کے معنیٰ میں لیتے اور کبھی اسے حسب مصطلح محدثین بیان کرتے ہیں اور کبھی "طریقہ مسلوکہ فی الدین" پر محمول کرتے نظر آتے ہیں جو ان کی قدیم عادت ہے کہ شرک و بدعت ہوتے کیا ہیں؟

بہر حال ہمارے نزدیک یہاں سنّت مؤخر الذکر معنیٰ میں ہے کہ بدعت مذمومہ کا مدمقابل وہی ہے پس اس مقام پر اس موضوع کی احادیث میں مذکور اتباع سنّت کا مفہوم ہے "ہر چیز کی متعین کردہ شرعی حیثیت کے مطابق اس کے بارے میں نظریّہ قائم کرنا" اور معنے یہ ہوگا کہ جس امر کا جو شرعی حکم میں نے متعین کردیا ہے اسے اسی پر بند رکھتے ہوئے میری پیروی کرو اور اپنی طرف سے کوئی حکم لگانے سے بچو کہ ایسا کرنا امر مُحدَث کا مرتکب ہونا ہے جبکہ ہر مُحدَث، بدعت ہے اور ہر ایسی بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم رسید ہونے کا سبب ہے
(اس کی مکمل مُدلل تفصیل باب دوم میں آرہی ہے)

لطیفہ :- اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے صحیح مسلم (ج ۲ ص ۱۲۷) کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی لکھا ہے جو اس طرح ہے :- وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشاطین فی جثمان انس،،

ان میں سے کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہونگے مگر شکل اور صورت انسانی ہوگی ،، اھ ملاحظہ ہو (راہِ سنت ص ۲۶)

اقول :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلحضرت رحمہ اللہ کے حسب ذیل ارشادات بالکل بجا اور حدیث شریف کے عین مطابق ہیں۔

ذِیَابٌ فی ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

ذکر چھیڑیئے ان کا صبح و شام چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے

اسی فلسفہ کو گکھڑوی صاحب کے پیش رو مولوی ظفر علی خان نے اپنے ایک مولانا کے متعلق کچھ اس طرح پیش کیا ہے

صورت تو بیشک مومنانہ ہے حضور کی
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے

"آپکی پاک تعلیم کی قدر و عظمت غیروں کی نگاہوں میں" (ص۲۶)

اس عنوان کے تحت گکھڑوی صاحب نے بعض غیر مسلم مفکرین کی زبانی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال سیرت و کردار کی تعریفیں نقل کر کے ہم پر دانت پیستے ہوئے لکھا ہے: "احسان فراموشی کی اس سے بدترین مثال بھی کیا دنیا میں ہو سکتی ہے کہ بیگانے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وارشاد اور سنت کی قدر و قیمت کا اعلان کریں۔ اور ہم غیروں کی صورت و سیرت گفتار و کردار اور رسم و فیشن پر مفتون ہوں حیف اور صد حیف ہے اس برائے نام عشق و محبت کے جھوٹے دعوؤں پر۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی کسوٹی پر کسے بغیر خود ساختہ بدعات اور خود تراشیدہ رسوم کو تسلیم کرنے میں ہر مسلمان کو عمیق غور اور فکر کر لینا .... از بس لازم اور ضروری ہے اھ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۲۷ ص۲۸)

اقول:۔ اولاً:۔ گکھڑوی صاحب کی یہ عبارت بالکل اسی طرح بے جوڑ ہے جس طرح کتاب اللہ کی بحث میں قرآن کریم کی حقانیت الخ کے زیر عنوان بے جوڑ ہے (جس کی تفصیل گذر چکی ہے)

چنانچہ وہ یہاں غیر مسلموں کی قصیدہ خوانی کر رہے ہیں۔ محض سنّت کی قدر و قیمت کا اعلان کرنے کی بنا پر۔ جبکہ مسلمانوں کو کوس رہے ہیں حسب زعم خویش، ترکِ اتباع سنّت کے حوالے سے۔ جس کی سخافت روز روشن کی طرح ظاہر ہے جو محتاج بیان نہیں۔ جبکہ کوئی بھی مُسلمان ایسا نہیں ہے جو آپ کی سیرت طیبہ اور سنّت مطہرہ کی عظمت اور قدر و قیمت کا قائل نہ ہو۔

ثانیاً:۔ پھر خدا کا کرنا دیکھئے کہ وہ ایک طرف ہمیں منکر سنّت نبویّہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) دوسرے لفظوں میں کافر و بے ایمان) کہہ گئے، پھر دوسری طرف انہوں نے ہمارا مسلمان ہونا بھی تسلیم کر لیا ہے۔ جس سے دو میں سے ایک بات ضرور لازم آتی ہے۔ یعنی کافر کو مسلمان یا مسلمان کو کافر کہنا جبکہ وہ دونوں کفر ہیں۔ اسی کو کہا جاتا ہے "چاہ کن را چاہ درپیش"، نیز آسمان کا تھوکا اپنے منہ پہ آنا۔

ثالثاً:۔ نیز ہمیں بدعات کا ذمہ دار اور اتّباع رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے معاذاللہ منحرف قرار دینے کے بعد خدا کے کرنے سے وہ بھی یہ لکھ گئے ہیں کہ:۔ "مولوی احمد رضا خان صاحب کے والد ماجد مولوی نقی علی خان صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔ دعوئی محبت خدا اور رسول بدون اتباع سنّت سراسر لاف و گزاف ہے"۔

ملاحظہ ہو (راہ سنّت ص ۲۸ بحوالہ سرور القلوب ص ۱۳۹)

اقول:۔ بھلے مانس کو اتنی سوجھ بھی نہ آئی کہ جب ہمارے مقتدا، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس قدر اہمیت کے قائل ہو کہ اس کے ترک کی سخت مذمت بیان فرما رہے ہیں تو ترکِ اتباع ہمارا مذہب کیونکر ہوا جبکہ اعتبار بھی علماء ہی کے اقوال و افعال کا ہوتا ہے۔ عوام کا نہیں جبکہ

ہمارے عوام بھی بفضلہٖ تعالیٰ اس کے منکر نہیں پھر یہ سب سخت سست کہہ سنانے کے باوجود گکھڑوی صاحب اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کے لیے "ماجد" کا لفظ بھی استعمال کر گئے جو کلمہ تعظیم ہے جب کہ بدعتی کی تعظیم کرنا خود ان کی تصریح کے مطابق اسلام کو منہدم کرنیکے مترادف ہے چنانچہ انہوں نے ایک حدیث نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ لکھا ہے:

"آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی"

ملاحظہ ہو (راہِ سنت صـ۲۷) گکھڑوی ٹولہ واہ بھئی واہ

تخفیف شان:- حسب سابق، عنوان ہذا کے تحت بھی گکھڑوی صاحب نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ پورا درود شریف لکھنے کی بجائے ؐ کے نشان پر اکتفا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنت صـ۲۶) جو ان کے بزرگوار مولوی زکریا سہارنپوری مؤلف تبلیغی نصاب کے فیصلہ کے مطابق انتہائی بخل، بدنصیبی، نامرادی اور بدبختی ہے تفصیل کیلئے دیکھئے ان کا رسالہ (فضائل درود شریف مشمولہ تبلیغی نصاب)

اقرار بے مثلیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم گکھڑوی صاحب نے عنوان ہذا کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ۔ "اپنے تو اپنے غیر بھی اس آفتاب نبوت کو اعظم کہنے پر مجبور ہیں اگرچہ وہ نہ کہیں۔

؎ رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ۔ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

ملاحظہ ہو (راہِ سنت صـ۲۶ صـ۲۷)

اقول:- دوغلہ پالیسی کی بھی انتہا ہو گئی ہے۔ غور فرمائیں یہ وہی گکھڑوی صاحب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بے مثلی کا اقرار کر رہے ہیں جن کے بچے بچے کی زبان پر "بشر مثلکم"

ارٹ ہے۔

مصنوعی تعریف بے فائدہ جس کا انہیں دل سے تائب ہوئے بغیر کچھ فائدہ نہیں جس کی ایک واضح دلیل خود گکھڑوی صاحب کے غیر مسلموں سے نقل کردہ وہ تعریفی کلمات بھی ہیں جو انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے ہیں ورنہ تو کیا وہ اس سے اخروی ثواب کے مستحق اور جنت کے مالک بن گئے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں!

(وھکذا الگکھڑوی وامثالہ)

مصنوعی تعریف دیوبندی تحریک کا قدیمی جزِ اعظم ہے:۔ رہا یہ کہ گکھڑوی صاحب نے یہ انداز کیوں اختیار کیا ہے؟ تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کیونکہ ذاتی مفادات کی تحصیل کے پیش نظر حسب موقع سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کر دینا ہمیشہ سے اس "مقدس گروہ" کی پالیسی رہی ہے جس کی وضاحت گکھڑوی صاحب کے کبراء کے حسب ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ موصوف کے حکیم الامت تھانوی کی شان میں تحریر کردہ نظر ثانی شدہ کتاب اشرف السوانح میں موصوف کے متعلق لکھا ہے کہ جودھپور میں چونکہ دیوبندیوں کو لوگ عموماً وہابی کہتے تھے اس لئے .... دار العلوم دیوبند کے بڑے جلسۂ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کیلئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے۔ کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں حضرت والا (تھانوی) نے بہ ادب عرض کیا کہ اس کیلئے روایات کی ضرورت ہے۔

اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔ اس پر حضرت والا (تھانوی) سے فرمائش ہوئی کہ

اگر وقت پر کچھ روایات یاد آجائیں تو ان کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے ورنہ خیر۔ چونکہ اکابر کیطرف سے اختیار مل گیا اس لئے حضرت والا (تھانوی) نے حبِّ دنیا کے متعلق وعظ فرمایا جس کی بوجہ ابتلاءِ عام، سخت ضرورت تھی اھ۔

ملاحظہ ہو (اشرف السوانح ج ا ص ۷۹ باب دہم مواعظ حسنہ۔ طبع ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

اقول:۔ "جماعت مصلحت کیلئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں"، یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں،، "حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا"۔ کے جملوں کو بار بار پڑھیں اور دیوبندی پالیسی کو سمجھیں اور فیصلہ دیں کہ گکھڑوی صاحب کا یہاں شانِ بے مثلی کا اقرار بھی اسی پالیسی کا حصہ ہے یا نہیں؟ نیز اس کے لئے تھانوی صاحب کے عذرِ لنگ کو بھی ملحوظ رکھیں اور غور فرمائیں کہ جس شخص کو بہشتی زیور حصہ یازدہم کے لمبے چوڑے اور موٹے تازے نسخے ازبر ہوں اور جو حکیم الامّت کے لقب سے بھی ملقب اور امام دیوبند ہو کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اسے فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت بھی یاد نہیں تھی اور پوری تقریر کے اختتام تک بھی یاد نہ آسکی۔ پھر اس کے باوجود "ورنہ خیر"، بھی ساتھ ہے۔ بہرحال یہ سب اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے کہ اہل دیوبند کو کہیں پر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنے بھی پڑ جائیں تو وہ محض کسی مصلحت کے تحت ایک وقتی بات ہوتی ہے ورنہ وہ دل سے اس کے قطعاً قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا اس حوالہ سے جو اکابر دیوبند کی عبارات میں سخت تعارض و تناقض پایا جاتا ہے وہ محض ظاہری ہے حقیقت میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ اس کیلئے وحدات ثمانیہ شرط ہیں جبکہ فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے انکار حقیقت پر اور ان کا بیان محض مصلحت پر مبنی ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے عجیب نام کی تجویز:۔ گکھڑوی صاحب نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کیلئے معمار قدرت کے لفظ بھی استعمال کئے ہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں "معمارِ قدرت اپنی عمارت میں آخری پتھر کو اپنی جگہ رکھ کر تعمیر پوری کر چکا"۔ ملاحظہ ہو راہِ سنت ص۲۶) نہ معلوم اللہ تعالیٰ کیلئے یہ نام انہیں کہاں سے دستیاب ہوا؟ گکھڑوی صاحب غور کریں کہ کہیں وہ اپنے ہی اصول کے مطابق بعلم خود بدعتی اور مشرک تو نہیں ہو گئے؟ ورنہ اللہ کا یہ نام بہ ہیئت کذائیہ کس آیت اور کس حدیث میں لکھا ہے جبکہ اسماء الٰہیہ توقیفیہ ہوتے ہیں۔ پھر گکھڑوی صاحب کی مسجد و مدرسہ کا تعمیر کرنیوالا بھی معمار اور ربّ العلمین بھی معمار؟ یہ ان کے حسب اصول کیا شرک نہیں؟ اگر نہیں تو اسی اشتراک لفظی کی بناء پر سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر وغیرہ کے عقیدہ کو کیوں شرک کہتے ہو؟

مُباحثِ اجماعِ اُمّت

اس کے بعد گکھڑوی صاحب نے "اجماع واتفاق شرعی حجّت ہے" نیز "اجماعِ اُمّت"، کا عنوان قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہِ سنّت ص۲۸ نیز ص۴۰ تا ص۴۲)
پھر ان کے تحت انہوں نے کئی ذیلی عنوانات قائم کیئے ہیں جو یہ ہیں۔ حضرات خلفاء راشدین کی خلافت اور ان کی سُنّت" ملاحظہ ہو (ص۲۹) نیز "حضرات صحابہ کرام بھی معیارِ حق ہیں اور ان کا اجماع بھی حجّت ہے۔ ملاحظہ ہو (ص۳۶) نیز "خیرالقرون کا تعامل بھی حجّت ہے۔ ملاحظہ ہو (ص۴۲)

پھر خیرالقرون کو انہوں نے ثلٰثہ میں بند کر کے ان سے مراد صرف تین طبقات صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین لئے۔ ملاحظہ ہو (ص۴۴ ص۴۵)

ہمارے نزدیک اجماع کی حیثیّت

اقول:۔ جہاں تک اجماع اُمّت خصوصاً خلص اُمّت (صحابہ وتابعین واتباعہم

بالخیر والاحسان علیہم الرضوان) کا تعلق ہے، حسب اصول و شرائط معتبرہ ہمارے نزدیک اس کے حجیت شرعیہ ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے یہ عنوان فی نفسہٖ قطعاً ہمارے خلاف نہیں۔

نوعیت مغالطہ: البتہ اس کے ذیلی عنوانات سے انہوں نے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جو امر خلفاء راشدین سے خصوصًا اور قرون ثلٰثہ میں سے کسی ایک سے عمومًا بہیت کذائیہ، بعینہٖ، من وعن اور ہو بہو وہ بدعت سیئہ ہے، کئی وجوہ سے غلط ہی نہیں خود گکھڑوی صاحب اور ان کے مسلّم اکابر کے خلاف بھی ہے۔

قرون ثلٰثہ سے ثابت کو بدعت کہنے کے متعدد جوابات

جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں اور انکا دیگر متعدد وجوہ آئندہ مباحث کے ضمن میں بھی آئیں گی۔ وباللّٰہ التوفیق

جواب نمبر ۱ (گکھڑوی صاحب کی علمی ٹھوکریں) اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے کئی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں چنانچہ

۱۔ و ۲: سنت نمبر ۱ خلفاء راشدین اسی طرح تعامل نمبر ۲ خیر القرون کو علیحدہ علیحدہ دلیل شرعی شمار کرنا خود گکھڑوی صاحب کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے دلائل شرعیہ کی تعداد بنیادی طور پہ دو اور زیادہ سے زیادہ چار بتائی ہے (راہ سنت ص۱۱ ص۶۲)

پس اگر تعامل اور سنت خلفاء کو علیحدہ علیحدہ دلیل شرعی مانا جائے تو ان کی تعداد چھ ہو جائیگی جس کے گکھڑوی صاحب بھی قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اصول نے تعامل کو اجماع سے اور قول صحابی کو جو از قبیل مالا یدرک بالرای ہو، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور جو از قبیل ما یدرک بالرأی ہو۔ قیاس سے ملحق قرار دیا ہے پھر اس میں بھی فرق نہیں فرمایا کہ صحابی خلفاء راشدین سے ہو یا ان کے علاوہ۔ چنانچہ نور الانوار (ص۲۱۹ طبع ملتان)

میں ہے۔ وتعامل الناس ملحق بالاجماع وقول الصحابی فیما یعقل ملحق بالقیاس و فیما لایعقل ملحق بالسنۃ والاستحسان ونحوہ ملحق بالقیاس،، یعنی تعاملِ ناس، اجماع کے ساتھ ملحق ہے، اور قول صحابی جو ایسے مسئلہ کے بارے میں ہو جس میں قیاس کا دخل ہو سکتا ہو تو وہ قیاس کے ساتھ ملحق ہے اور جو ایسے مسئلہ کے بارے میں ہو جس میں قیاس کا دخل نہ ہو تو وہ سنّت کے ساتھ ملحق ہے اور استحسان اور اس جیسے امور (جیسے استصحاب بھی) قیاس کے ساتھ ملحق ہے۔ اھ

اسی طرح دیگر کتب اصول کشف الاسرار اور اصول بزدوی وغیرھما میں بھی ہے

نمبر۳:۔ بیان بالا سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سنت خلفاء راشدین کو گھڑوی صاحب کا اجماع کی مد میں رکھنا بھی غلط ہے کیونکہ حسب تصریح آئمۂ اصول وہ فیما یعقل ہو تو قیاس کے ساتھ اور فیما لایعقل ہو تو سنّت نبویہ علی صاحبہا السلام کے ساتھ ملحق ہے (کما مرّ آنفاً)

نمبر۴: نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ گھڑوی صاحب کا تعامل کے حجت ہونے کو قرون ثلٰثہ سے مخصوص کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ تعامل، پوری امت کا ہر دور میں حجت ہے جیسا کہ نور الانوار کی منقولہ بالا عبارت کے الفاظ "وتعامل الناس" سے بھی ظاہر ہے نیز تقریباً جملہ کتب فقہ میں رسم المفتی کے مباحث میں بھی ہے جیسے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کا رسالہ عقود رسم المفتی وغیرھا۔

نمبر۵:۔ گھڑوی صاحب کا یہ قول بھی پُر از سخافت ہے کہ "حضرات صحابۂ کرام کا اجماع بھی حجت ہے"، کیونکہ بھی لفظ سے بھی اجماع صحابہ کی حیثیت کا ثانوی ہونا مترشح ہوتا ہے جبکہ وہ خلّص امّت ہیں جن کے اجماع کو ثانوی نہیں، بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس کی

ہمارے آئمہ صدیوں پہلے تصریحات فرما چکے چنانچہ المنار اور اس کی شرح نور الانوار میں ہے

ثم هو على مراتب (الى) فالاقوى اجماع الصحابة نصا مثل ان يقولوا جميعا اجمعنا على كفر افانه مثل الآية والخبر المتواتر حتى يكفر جاحده" اھ ما اردنا ملخصًا بلفظها۔

یعنی اجماع کے کئی مدارج ہیں سب سے قوی صحابہ کرام کا وہ اجماع ہے۔ جس میں سب بیک زبان کسی مسئلہ پر اتفاق ظاہر فرمائیں۔ یہ اجماع ایسا قطعی ہے جیسے قرآنی آیت اور حدیث متواتر قطعی ہوتی ہے حتی کہ اس کی حجیت کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اھ۔

بلکہ گکھڑوی صاحب نے تو اپنی اسی راہ سنت (ص ۲۸ اور ص ۳۰) میں امت مرحومہ کے اجماع کو اجماع صحابہ سے الگ کر کے معاذ اللہ صحابہ کرام کو امت سے بھی خارج کر دیا ہے، (والعیاذ باللہ العظیم) جبکہ اس میں انہوں نے کوئی ایسا لفظ بھی نہیں رکھا جو تخصیص بعد التعمیم یا بالعکس کے قبیل سے ہو کر اعتراض ہذا کے دفعیہ کا پیش خیمہ بنتا۔

نمبر ۶: حدیث سنۃ الخلفاء الراشدین اسی طرح تعامل خیر القرون کو عدم فعل کے عدم جواز کی دلیل بنا کر پیش کرنا (کہ انہوں نے کہ وہ جائز اور جو نہ کیا وہ ناجائز ہے) بھی گکھڑوی صاحب کی شدید و قبیح جہالت ہے کیونکہ سنت اور تعامل دونوں فعل کے نام ہیں۔ عدم فعل کے نہیں۔ باقی ترک کے سنت ہونے نہ ہونے کی بحث اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

تحقیق حدیث وسنۃ الخلفاء الراشدین

اس کے بعد ہم گھڑوی صاحب کی پیش کردہ دونوں حدیثوں (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الخ اور خیر الناس قرنی الخ) کا اصل مفہوم ٹھوس دلائل اور تحقیق سے متعین کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں جیسے علی وجہ البصیرۃ، کما حقہ، اور صحیح معنیٰ میں جاننے کیلئے سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ ان کے ماخذ اور الفاظ نیز دیگر متعلقات کو سامنے رکھ لیا جائے۔ جو حسب ذیل ہیں۔ فاقول وباللہ التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق۔

ماخذ حدیث ھذا:۔ حدیث ہذا متعدد کتب حدیث میں منقول وموجود ہے جو کہ از اصحاب صفہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ ان میں سے جو کتب یا ان کے حوالہ جات سر دست ہمارے پیش نظر ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جن میں سے صرف مشکوٰۃ اور جامع العلوم والحکم ناقل اور باقی سب مخرج ہیں۔

وہی ھٰذہٖ۔

نمبر۱:۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص۱۲۶ ص۱۲۷ طبع مکۃ المکرمۃ مسند عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔

نمبر۲:۔ سنن ابی داؤد ج ۲ ص۲۷۸ ابواب السنۃ باب لزوم السنۃ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

نمبر۳:۔ جامع الترمذی ج ۲ ص۹۲ کتاب باب الاخذ بالسنۃ۔ طبع ملتان۔

نمبر۴:۔ سنن ابن ماجہ ص۵-۶ (مقدمہ) باب اتباع سنۃ الخلفاء راشدین المھدیین۔ طبع قدیمی کراچی۔

نمبر۵:۔ سنن الدارمی ج ۱ ص۵۷ باب اتباع السنۃ۔ حدیث ۹۵ طبع قدیمی کراچی۔

نمبر۶:۔ شرح السُنّۃ ج ۱ ص۱۸۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الامام البغوی۔ طبع بیروت۔

نمبر۷:۔ صحیح ابن حبان ج ۱ ص۱۶۵ ص۱۶۶ ص۱۶۷ حدیث ۵ باب الاعتصام بالسنۃ طبع سانگلہ ہل۔

نمبر۸:۔ المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص۲۸۸ تا ص۲۹۰ طبع دار المعرفۃ بیروت لبنان۔

نمبر۹:۔ مشکل الآثار للطحاوی ج ۲ ص۶۹ ۔ ملاحظہ ہو المستدرک ج ۱

ص۲۸۸ حاشیہ حدیث م۳۳۳)

نمبر۱۰:۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص۵۴۱ ۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ۱

ص۲۸۸ حاشیہ حدیث م۳۳۳)

نمبر۱۱:۔ الاجری فی الشریعۃ م۲۶ ص۴۷ ۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ۱

ص۲۸۸ حاشیہ حدیث م۳۳۳ ۔ ابن حبان ج ۱ ص۱۶۷ حاشیہ ۱)

نمبر۱۲:۔ ابن ابی عاصم فی السنۃ م۳۲-۵۷ ملاحظہ ہو (المستدرک جلد و صفحہ و

حاشیہ مذکورہ) نیز ج ۱ ص۱۷-۲۹ ملاحظہ ہو (ابن حبان ج ۱ ص۱۶۷ ۱)

نمبر۱۳:۔ مشکوٰۃ المصابیح عربی ص۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

بحوالہ احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ ۔ طبع دہلی و کراچی ۔

نمبر۱۴:۔ جامع العلوم والحکم ص۲۴۳ بحوالہ لابن رجب

الحنبلی طبع مکۃ المکرمۃ ۔

الفاظ حدیث :۔ حدیث ہذا بہ طرق متعددہ ۔ مختلف الفاظ سے مروی ہے جبکہ مال کے اعتبار سے ان سب کا مفہوم ایک ہے جن میں سے بعض الفاظ کی زیادتی از قبیل زیادہ ثقہ ہے جبکہ بعض دیگر الفاظ کی زیادتی سے اس کے بنیادی مضمون پر کچھ زد نہیں پڑتی ۔ اس کے جو ماخذ (کتب تخریج) ہمارے سامنے ہیں ان سے اس کے الفاظ کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

چنانچہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے فرمایا :۔

نمبر۱:- وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موعظۃ ذرفت منہا العیون ووجلت منہا القلوب قلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ لموعظۃ مودع فماذا تعہد الینا قال قد ترکتکم علی البیضاء لیلہا کنہارہا لا یزیغ عنہا بعدی الا ھالک ومن یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بما عرفتم من سنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین وعلیکم بالطاعۃ وان عبدا حبشیا عضوا علیہا بالنواجذ فانما المؤمن کالجمل الانف حیثما انقید انقاد" اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد چہارم ص۱۲۶) نیز ابن ماجہ ص الا ان فیہ "فقلنا" و"علیکم" و"قید" بدل "قلنا" و"علیکم" و"انقید"

نیز المستدرک للحاکم ج ا ص۲۸۹ مثل ابن ماجہ تقریباً۔

نمبر۲:- خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقام فوعظ الناس ورغبہم وحذرہم وقال ما شاء اللہ ان یقول ثم قال اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا واطیعوا من ولاہ اللہ امرکم ولا تنازعوا الامر اھلہ ولو کان عبدا اسود وعلیکم بما تعرفون من سنۃ نبیکم والخلفاء الراشدین المہدیین وعضوا علی نواجذکم بالحق" اھ

ملاحظہ ہو (المستدرک للحاکم ج ا ص۲۸۸)

نمبر۳:- قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فوعظنا موعظۃ بلیغۃ وجلت منہا القلوب وذرفت منہا العیون فقیل یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وعظت موعظۃ مودع فاعہد الینا بعہد فقال علیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان عبداً حبشیا وسترون من بعدی اختلافاً شدیداً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم والامور المحدثات فان کل بدعۃ ضلالۃ،،

اھ ملاحظہ ہو (سنن ابن ماجہ ص)

نمبر۴:۔ قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ فوعظنا موعظۃ وجلت منھا القلوب وذرفت منھا الاعین قال فقلنا یا رسول اللہ قد وعظتنا موعظۃ مودع فاعہد الینا قال علیکم بتقوی اللہ اظنہ قال والسمع والطاعۃ وسترون من بعدی اختلافاً شدیداً او کثیرا فعلیکم بسنتی وسنت الخلفاء المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل بدعۃ ضلالۃ" اھ

ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص ۲۹)

نمبر۵:۔" وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بعد صلوۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال رجل ان ھذہ موعظۃ مودع فما ذا تعھد الینا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان عبد حبشی فانہ من یعش منکم یری اختلافاً کثیراً وایاکم ومحدثات الامور فانھا ضلالۃ فمن ادرک ذلک منکم فعلیہ بسنتی

وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ" اھ

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۲)

نمبر ۶:۔ صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر ثم وعظنا بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال قائل یا رسول اللہ کأنھا موعظۃ مودع فأوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیاً فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل بدعۃ ضلالۃ) اھ

ملاحظہ ہو (سنن الدارمی ج ۱ ص ۵۷ حدیث ۹۵)

نمبر ۷:۔ "صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال قائل یارسول اللہ کأنھا موعظۃ مودع فأوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبد احبشیاً فانہ من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ" اھ

ملاحظہ ہو (شرح السنۃ ج ۱ ص ۱۸۱)

نمبر٨:- صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح ثم اقبل علینا فوعظنا موعظۃ وجلت منها القلوب و ذرفت منها العیون فقلنا یارسول اللہ کانها موعظۃ مودّع فاوصنا قال اوصیکم بتقوی اللہ و السمع والطاعۃ وان أمّر علیکم عبد حبشیّ فانہ من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیّین عضّوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ" اھ

ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین ج ا ص ٢٨٨)

نمبر٩:- "صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح ثم اقبل علینا بوجهہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ فذکر نحوہٗ" اھ

ملاحظہ ہو (سنن ابن ماجہ ص)

نمبر١٠:- "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظهم یوما بعد صلوٰۃ الغداۃ فذکرہ" اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۴ ص)

نمبر١١:- "عبد الرحمٰن بن عمرو السلمی وحجر بن حجر قالا اتینا العرباض بن ساریۃ وهو ممن نزل فیہ "ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیہ" فسلمنا وقلنا اتیناک زائرین وعائدین ومقتبسین فقال العرباض

صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم ذات یوم ثم اقبل علینا فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون ووجلت منہا القلوب فقال قائل یارسول اللّٰہ کأن ہٰذہ موعظۃ مودّع فماذا تعہد علینا فقال اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعۃ وان عبدا حبشیّا فانہ من یعش منکم بعدی فسیرٰی اختلافًا کثیرًا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیّین تمسکوا بہا وعضّوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلٰلۃ" اھ

ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۷۸ . نیز مسند احمد ج ۴ ص

وفیہ وان کان عبدا" و " فتمسکوا" و " عرباض،، بدل و " ان عبدًا،، و تمسکوا" " والعرباض" والصبح ،، نیز صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۱۶۶ ص ۱۶۷ حدیث ۵ وفیہ و " ان عبدا حبشیّا مجدّعًا ،، و " من یعش منکم فسیرٰی " و اتینا ،، ولیس فیہ " وعائذین ،، . والباقی کلفظ احمد فی المسند .

نیز ملاحظہ ہو المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۹ والآیۃ فیہ بتمامہا ولیس فیہ " وعائذین ،، . و ایضًا فیہ " فما تعہد الینا ؟ ،، والباقی کلفظ مسند احمد)

خلاصۂ ترجمہ جملہ حدیث ہٰذا

حدیث ہٰذا کے جملہ طرق کے منقولہ بالا تمام الفاظ کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ عبد الرحمٰن بن عمرو اور حجر بن حجر نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے (جو ان صحابۂ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں سورۂ توبہ شریف کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔ ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ، تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنًا الا یجدوا ما ینفقون)

ہم نے آپ کو سلام کیا اور عرض کی کہ ہم صرف آنجناب کی زیارت اور آپ سے کچھ حاصل کرنے اور فیض لینے کی غرض سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں۔ پس آپ نے افادہ فرماتے ہوئے ہمیں فرمایا (جبکہ آئندہ مضمون آپ کے دیگر تلامذہ سے بھی منقول ہے) کہ ایک دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں (یا فرمایا لوگوں کو) صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ نے ہم میں کھڑے ہو کر اور اپنا رُخ انور ہماری طرف کر کے ہم سے (یا فرمایا کہ لوگوں سے) کچھ دیر خطاب فرمایا جس میں ترغیب و ترہیب تھی خطاب ایسا مؤثر اور دلوں میں گھر کرنے والا تھا کہ اس سے سب حاضرین و سامعین کے دل دہل گئے اور سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں ۰ ہم نے عرض کی (یا فرمایا کہ ایک شخص نے یا کسی کہنے والے نے کہا) یا رسول اللہ! آپ کے اس خطاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عنقریب اس دنیا سے پردہ فرما ہونے والے ہیں ۰ پس آپ ہمیں کوئی وصیّت فرمائیں اور ہمیں کوئی ذمّہ داری سونپیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں میری وصیّت یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی منوّر ملّت پر چھوڑے جا رہا ہوں کہ جس کی راتیں بھی اس

اس کے دنوں کی طرح روشن ہیں (جس میں تاریکی اور کجی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) جس سے کسی تباہ کار کے سوا کوئی روگردانی نہیں کریگا۔ تم اللہ ہی کو معبود برحق اور واحد لاشریک سمجھو، اسی سے ڈرتے رہو۔ اور اپنے اولی الامر کی سنو اور مانو اور اس سے اختلاف مت کرو اگرچہ وہ تم پر کسی ناقص الاعضاء سیاہ فام غلام کو بھی کیوں نہ والی مقرر کر دے بخصوصیت کے ساتھ تم میں سے جو میرے وفات کے بعد زندہ رہا وہ لوگوں میں نہایت درجہ سخت اور بے حد (سیاسی و مذہبی) اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میں سے جو یہ وقت پائے اس پر لازم ہے کہ وہ انتہائی مضبوطی سے اپنے نبی اور خلفاء راشدین مہدیین (یا فرمایا میری اور خلفاء راشدین مہدیین) کی مقررہ سنت کو اپنائے (یا فرمایا ایسے میں تم میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت معہودہ کو لازم پکڑیئے گا) اور امور محدثہ سے دور رہو کیونکہ ہر محدث بدعت اور ہر ایسی بدعت، ضلالت اور گمراہی ہے۔ مومن کی مثال تو اس شریف الطبع اونٹ جیسی ہے جس کی نکیل میں مہار ڈلی ہوئی ہو۔ اسے جس طرف کھینچ لے جایا جائے وہ ادھر ہی کو مڑ جائے (یعنی فرمانبرداری کرنا مومن کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے) اھ

درجۂ حدیث ہذا مع الدلیل :۔ حدیث ہذا خبر واحد ہے جو از قبیل غریب فرد نسبی ہے (اور فرد نسبی اس روایت کو کہا جاتا ہے کہ جس کا کسی ایک طبقہ میں یا طبقات میں ایک ادھ راوی ہو یہ ایسے ہی ہے) کیونکہ اس کے دیگر طبقات میں اگرچہ کئی کئی راوی ہیں مگر طبقۂ اولیٰ میں اس کا صرف ایک ہی راوی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ طبقہ ۱ صحابہ میں اس کے راوی صرف حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ، ہیں۔

طبقۂ تابعین[۲] :۔ میں مجموعی طور پر اس کے پانچ رواۃ ہیں جو یہ ہیں۔ عبدالرحمٰن[۱] بن عمرو السلمی، حجر بن حجر[۲] کلاعی، یحییٰ بن ابی[۳] المطاع، عبداللہ بن[۴] ابی بلال اور معبد[۵] بن عبداللہ بن ہشام القریشی۔

طبقۂ اتباع[۳] تابعین : میں مجموعًا اس کے رواۃ ہیں جن کے نام یہ ہیں :۔ ضمرہ بن حبیب، خالد بن معدان۔ عبداللہ بن العلاء بن زبر۔

پھر طبقہ اتباع تبع تابعین :۔ میں اس کے راوی ہیں وھو ھٰؤلاء، معاویہ بن صالح۔ ولید بن مسلم، عمرو بن ابی سلمہ التنیسی، بحیر بن سعید۔ محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی، ثور بن یزید[۶] کلاعی۔

اس سے نچلے رواۃ تفصیل :۔ اہل تخریج محدثین تک مع حوالجات حسب ذیل ہے معاویہ بن صالح سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے ان سے اسمٰعیل بن بشیر بن منصور اور اسحٰق بن ابراہیم نے ان سے امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔
ملاحظہ ہو (سنن ابن ماجہ ص۵-۶ طبع کراچی

نیز عبدالرحمٰن ابن مہدی موصوف سے امام احمد بن حنبل ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶ نیز عبداللہ موصوف سے ابوبکر احمد بن جعفر القطیعی نے ان سے حاکم نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ا ص ۲۸۹ حدیث نمبر ۳۳۲ نیز معاویہ بن صالح سے (ابوصالح نے) ان سے ابوبکر محمد بن مؤمل اور فضل بن محمد نے ان سے عثمان بن سعید درامی نے ان سے ابوالحسن احمد بن محمد العنبری نے ان سے حاکم نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ا ص ۲۸۹ ح ۳۳۶)

عمرو بن ابی سلمہ التنیسی :۔ سے احمد بن عیسیٰ بن زید التنیسی نے ان سے ابوالعباس محمد

بن یعقوب نے ان سے حاکم نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ا ص ۲۹۰)

ولید بن مسلم سے عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی نے ان سے امام ابن ماجہ نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (سنن ابن ماجہ ص ۵-۶ طبع کراچی

بحیر بن سعید سے بقیہ بن الولید نے ان سے حیوہ بن شریح نے ان سے امام احمد بن حنبل نے ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷ طبع مکۃ المکرمہ) نیز بقیہ بن ولید سے علی بن حجر نے ان سے امام ترمذی نے روایت کیا ملاحظہ ہو۔ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۲ طبع ملتان)

محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی سے یحیٰی بن ابی کثیر نے ان سے ہشام الدستوائی نے ان سے امام احمد بن حنبل نے ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷)

نیز محمد بن ابراہیم موصوف سے یزید بن الھاد نے ان سے لیث نے ان سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے ان سے ابو حاتم محمد بن ادریس حنظلی نے ان سے ابو عبداللہ الحسین بن الحسن بن ایوب نے ان سے حاکم نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین ج ا ص ۲۸۸ حدیث نمبر ۳۳۴)

ثور بن یزید کلاعی:۔ سے ان حضرات نے اس روایت کو لیا۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد، ولید بن مسلم اور عبدالملک بن الصباح المسمعی ان سے نچلے رواۃ کی باحوالہ تفصیل حسب ذیل ہے۔

ابو عاصم:۔ سے احمد بن منصور الرمادی نے ان سے ابو عبداللہ محمد بن عقیل الفقیہ البلخی نے ان سے ابو محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد الانصاری نے ان سے ابو الفضل زیاد بن محمد بن زیاد الحنفی نے ان سے امام محی السنہ حسین بن مسعود بغوی نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (شرح السنہ ج

طبع)

نیز ابوعاصم سے حسن بن علی الخلّال نے ان سے امام ترمذی نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو

(جامع الترمذی ج

نیز ابوعاصم سے امام دارمی نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (سنن الدارمی ج طبع

نیز ابوعاصم سے عباس بن محمد الدوری نے ان سے ابوالعباس محمد بن یعقوب نے ان سے

امام حاکم صاحب مستدرک نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین ج ا ص طبع بیروت)

ولید بن مسلم:۔ سے امام احمد بن حنبل نے ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور امام ابوداؤد نے

روایت کیا ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۴ ص طبع مکۃ المکرمہ۔ سنن ابی داؤد ج ص طبع کراچی)

نیز ولید موصوف سے موسیٰ بن ایوب نصیبی اور صفوان بن صالح دمشقی نے ان سے

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم العبدی نے ان سے ابوذکریا یحییٰ بن محمد العنبری نے ان سے حاکم نے

روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (المستدرک ج ا ص)

عبدالملک بن الصبّاح المسمعی:۔ سے یحییٰ بن حکیم نے ان سے امام بن ماجہ قزوینی

نے روایت کیا۔ ملاحظہ ہو (سنن ابن ماجہ ص طبع کراچی)

کیفیّت حدیث ہذا:۔ اگرچہ ہذا کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ اس کے بالائی طبقات

کے تقریباً تمام رواۃ شامی ہیں۔ کما قال الحافظ ابونعیم "هو حديث جيد

من صحيح حديث الشاميّين"۔ لاحظ (جامع العلوم والحکم لابن

رجب ص ۱۴۳ طبع بیروت)

کیفیّت حدیث ہذا:۔ اگرچہ اس کے بعض رواۃ پر تھوڑا بہت کلام ہے مگر وہ مضر

نہیں کیونکہ وہ دیگر ثقات سے بھی منقول ہے۔ نیز اس کے تعدد طرق سے بھی اس کی تلافی

ہو جاتی ہے جیسا کہ دی گئی تفصیل رداہ سے ظاہر ہے۔ نیز خلفائے راشدین کی خلافت حقہ راشدہ کے بیان پر مبنی دیگر کئی صحیح احادیث بھی معنوی حیثیت سے اس کا قوی ہونیکی دلیل ہیں ولا یخفی علیٰ خادمہا۔ پس حدیث ہذا روایتہً نیز محتف بالقرائن علی الصحت کے ہونے کے باعث درایتہً بھی انتہائی قوی اور صحیح ہوئی (وہو المقصود)

مزید سینئے

آراء محدِّثین

ابن رجب حنبلی نے حدیث ہذا کے یحیٰی بن ابی المطاع والے طریق کے متعلق کہا۔ وھٰذا فی الظاھر اسناد جیدٌ متصل ورواتہ ثقاتٌ
یعنی حسب ظاہر اس کی سند، جید و متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (اس سے کچھ آگے لکھا ہے) "وقد روی عن العرباض من وجوہ اخر" یعنی یہ حدیث حضرت عرباض سے دیگر کئی طریق سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو (جامع العلوم والحکم صہ ۲۴۳ صہ ۲۴۴ طبع بیروت)

امام محی السنہ بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ "ھٰذا حدیث حسن" یعنی یہ حدیث حسن ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح السنہ ج ا صہ طبع بیروت)

امام ترمذی نے فرمایا۔ "ھٰذا حدیث حسن صحیح"، یعنی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو جامع الترمذی ج ۲ صہ طبع)

امام حافظ ابو نعیم نے کہا۔ "ھو حدیث جیدٌ من صحیح

حديث الشاميين قال ولم يترك له البخاري ومسلم من جهتها انكار منهما له ،، یعنی یہ حدیث جیّد صحیح ہے جس کے راوی شامی ہیں۔ نیز امام بخاری اور امام مسلم کا اسے صحیحین میں نہ رکھنا اس وجہ سے نہیں کہ انہیں اس کی صحت سے انکار تھا (کیونکہ صحیحین میں انہوں نے محض حسب ضرورت اپنی تحقیق اور مواید کے مطابق بعض صحیح احادیث کو رکھا ہے الغرض انکی تالیف سے ان کا مقصود حسب بالا احادیث صحیحہ سے بعض کا انتخاب کرنا ہے تمام صحیح احادیث کا جمع کرنا نہیں) ملاحظہ ہو (جامع العلوم والحکم ص۲۴۳ طبع بیروت)

حاکم نے کہا۔ هذا حديث صحيح ليس له علة (نیز کہا) قد استقصيت في تصحيح هذا الحديث بعض الاستقصاء على ما ادى اليه احتهادى (الى)

یعنی یہ حدیث صحیح ہے جس میں ایسی کوئی علت نہیں ہے جو اس کی صحت میں قادح ہو۔ میں نے اس کے صحیح ثابت کرنے میں انتھک محنت کی ہے۔ شعبہ کا فرمان ہے کہ اس جیسی احادیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو جانا مجھے اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں ( ) سے زیادہ عزیز ہے جو بفضلہ تعالیٰ صحیح ثابت ہو چکی ہے اھ ۔ ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین ج ا ص۔ طبع بیروت)

سنن دارمی (ج ا ص۵۷ طبع کراچی) کے حاشیہ میں اس کے متعلق مرقوم ہے

" وهو الحديث صحيح ،، یعنی یہ حدیث صحیح ہے اھ

المستدرک (ج ۲ تحت حدیث نمبر ۲۳۲ ص۲۸۸ میں ہے " وهو حديث ثابت،، یہ حدیث ثابت ہے۔ اھ

نیز صحیح ابن حبان ج ا ص ۱۶۷ لہ میں ہے " اسنادہ صحیح (الی) صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی" اس کی سند صحیح، حاکم نے اس کی تصحیح اور ذہبی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے اھ۔

حدیث ہذا گکھڑوی دعویٰ کی قطعاً دلیل نہیں :-

حدیث ہذا گکھڑوی دعویٰ کی قطعاً دلیل نہیں جو انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر ہو بلکہ کئی وجوہ سے ان کے خلاف ہے کیونکہ

اوّلاً :- اس کے کسی طریق میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ جو کچھ خلفاء راشدین کریں وہ سنّت ہے اور جو وہ نہ کریں بدعت ہے جیسا کہ سطور بالا میں نقل کئے گئے اس کے جملہ طرق کے الفاظ سے ظاہر ہے (ومن ادّعی مع ھذا فعلیہ البیان بالبرھان)

ثانیاً :- اگر اس کا یہی مفہوم لیا جائے تو اس سے دلائل شرعیہ کی تعداد پانچ ہو جائیگی۔ جو طے کردہ کے خلاف ہے کیونکہ گکھڑوی صاحب دلائل شرعیہ کے چار میں منحصر ہونے پر خود کئی تصریحات کر چکے ہیں جس کی مکمّل تفصیل مع حوالہ جات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے

ثالثاً :- نیز اس سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کو شارع بھی کہنا پڑے گا جبکہ گکھڑوی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو شارع کہنے پر بھی راضی نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل بھی مسئلہ اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بیان کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

رابعاً :- اس بارے میں خلفاء راشدین کی حد بندی سے بقیہ خیر القرون (دیگر صحابہ کرام نیز تابعین واتباع) کے حجّت ہونے سے بھی گکھڑوی صاحب کو بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ جبکہ وہ اپنا نظریہ یہ لکھ چکے ہیں کہ " خیر القرون کا تعامل بھی حجّت ہے"۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص ــــ)

خامسًا:۔ یہ ایسا مفہوم ہے کہ اصحاب خیر القرون بھی جس کے قائل نہیں جس کی ایک واضح دلیل بہت سے مسائل میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اختلاف بھی ہے جو اس موضوع پر مطالعہ رکھنے والے کسی اہل علم پر کسی طرح مخفی نہیں اور اس کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ جب خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنے دور خلافت میں جمعہ کیلئے دی جانیوالی پہلی اذان شروع کرائی تو بعض صحابۂ کرام نے اسے بدعت قرار دیا۔ چنانچہ امام بخاری ومسلم کے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہ لکھتے ہیں:۔

عن ابن عمر انہ قال الاذان یوم الجمعۃ الذی یکون عند خروج الامام والذی قبل ذلک محدث "(وفی لفظ) "الاذان الاوّل یوم الجمعۃ بدعۃ"

یعنی جمعہ کے دن جو اذان امام کے نماز جمعہ کے لئے آنے سے قبل دی جاتی ہے وہ مُحدَث اور بدعت ہے۔

ملاحظہ ہو (مُصنّف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۴۰ طبع کراچی مطبوعہ ۱۹۸۶ء)

اسی طرح جلیل القدر تابعی امام حسن بصری اور تسام نافع مولیٰ ابن عمر اور زہری سے بھی منقول ہے۔

ملاحظہ ہو (مصنّف ابن ابی شیبہ جلد صفحہ و طبع مذکور)

سادسًا:۔ بلکہ یہ ایک ایسا مفہوم ہے جس کے خود خلفاء راشدین بھی قائل نہیں جس کی دلیل "صدیقی" میں جمع قرآن کا واقعہ نیز دور فاروقی میں نماز تراویح کے باقاعدہ جماعت

کے ساتھ ادائیگی کے اجراء کا عمل بھی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جنگ یمامہ (جس میں کم و بیش سات سو قراء، و حفاظ صحابہ کرام شہید ہوئے۔ اس) کے زمانہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیرالمؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے اسے کتابی شکل میں یکجا کرنیکا مشورہ دیا تو انہوں نے اپنے خلفاء راشدین سے ہونے کو اس کے جواز کی دلیل بنانے کی بجائے باقاعدگی سے ان پر یہ سوال اٹھایا کہ "کیف تفعله شیالم رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی آپ وہ کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" نے نہیں کیا؟ پھر اس پر حضرت فاروق اعظم نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہمارا خلفاء راشدین سے ہونا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے بلکہ آپ نے قواعد شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر جواب دیا" ھذا واللّٰہ خیر" یعنی اللہ کی قسم اگرچہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا مگر اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں بلکہ یہ بہت اچھا کام ہے بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر بھی اس کے قائل ہو کر اسے سرانجام دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو گئے۔ پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تو انہوں نے بھی ان حضرات کے خلفاء راشدین میں سے ہونے کو دلیل جواز بنانے کی بجائے وہ سوال اٹھایا جو حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاروق اعظم پر اٹھایا تھا پس انہوں نے عرض کی:-

"کیف تفعلون شیالم یفعله رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا آپ حضرات وہ کیونکر کریں گے؟ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق نے خلافت راشدہ کو اس کے جواز کی بنیاد بنانے کی بجائے بعینہٖ وہی جواب دیا جو حضرت فاروق اعظم نے انہیں دیا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا:-

"وھو واللّٰہ خیر"۔ یعنی قسم بخدا اگرچہ یہ کام آپ صلی

اللہ علیہ وسلّم نے نہیں کیا لیکن بانیہمہ یہ ہے بہت اچھا کام۔ حضرت زید فرماتے ہیں:۔

فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتّٰی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القراٰن۔"

یعنی حضرت ابوبکر سے کافی بحث کے بعد اس کے لیے ان حضرات کی طرح میری بھی تسلی ہوگئی پس میں قرآن مجید کو کتابی شکل میں یکجا کرنے کے حکم کی تعمیل کی۔ اھ ملخصاً۔

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری ج ۲ ص۷۴۵ طبع کراچی (وغیرھما)

اسی طرح یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور عہد صدیقی سے دور فاروقی کے اوائل تک نماز تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے اسے باقاعدہ طور پر باجماعت مرّوج فرمایا۔ ایک رات آپ نے نماز تراویح کا روح پرور منظر دیکھ کر اس کے جواز کے لئے خلافت راشدہ کو حوالہ بنانے کی بجائے فرمایا تو یوں فرمایا "نعم البدعۃ ھٰذہٖ یعنی یہ بہت اچھی بدعت (بالفاظ دیگر "بدعت حسنہ") ہے۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری ج ۱ ص۲۶۹ باب فضل من قام رمضان طبع اصح المطابع کراچی)

ایک عذر لنگ کا رد:۔ رہا گکھڑوی صاحب کا اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں بدعت لغویہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انکی یہ تاویل محتاج دلیل ہونے کیساتھ ساتھ بہت بھی لغو ہے بلکہ مذہبی خودکشی کی بدترین مثال کیونکہ متعدد ائمہ دین بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی مسلّم اکابر کی تصریحات کے مطابق اس میں ھٰذہٖ کا مشارالیہ نماز تراویح کی ہیئت کذائیہ ہے جبکہ گکھڑوی صاحب نے جس امر کا بدعت شرعیہ ہونا طے کر کے اس کے خلاف اپنی یہ نام کی راہ سنّت وضع کی ہے وہ ہیئت کذائیہ ہی ہے۔

علاوہ ازیں یہ چور دروازہ انہوں نے بدعت کی دو قسمیں (بدعت حسنہ و سیئہ) ہونے کے مسئلہ سے بھاگنے کیلئے ہی تلاش کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ دین کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہے نیز اس کی یہ تاویل اس وقت درست تھی کہ انہوں نے جب یہ ثابت کیا ہوتا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ اس تقسیم کے قائل نہیں تھے پس یہ انکی خانہ ساز تاویل ہوئی۔ جو قطعاً لائق سماعت نہیں ہے (مکمل بحث آئندہ سطور میں اپنے مقام پر آرہی ہے)

حدیثِ ہذا گکھڑوی نظریہ کے منافی بھی ہے

علاوہ ازیں حدیث ہذا نہ صرف یہ کہ گکھڑوی صاحب کیلئے مفید مدعا نہیں انہیں سخت مضر اور ان کے بعض نظریہ کے سراسر منافی بھی ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عطائی علم غیب کی بیّن دلیل ہے چنانچہ اس میں مصرح ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے بعد رونما ہونیوالے فتنات کی نشاندہی فرمانے کے ساتھ ساتھ حضرات خلفاء راشدین (سیدنا ابوبکر سیدنا عمر سیدنا عثمان سیدنا علی اور سیدنا حسن مجتبیٰ) رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کی تلقین بھی فرمائی جس سے واضح ہوا کہ آپ کو ان فتنات کا علم تھا نیز یہ بھی علم تھا کہ آپ کی وفات حضرات خلفاء راشدین سے پہلے ہوگی اور ان حضرات کی وفیات آپ کی وفات کے بعد ہونگی نیز اس میں یہ بھی مصرح ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کا وہ خطاب لاجواب سن کر عرض کی تھی ،،

اِنَّ ھٰذِہٖ لَمَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ ،،

یہ تو الوداعی خطاب ہے بس آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیے جس پر آپ نے ان کی تردید فرمانے کی بجائے انہیں وصیتیں فرمائیں جو اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ صحابۂ کرام کا عقیدہ

بھی یہی تھا کہ آپ علیہ السلام کو اپنی وفات کے وقت کا علم تھا جبکہ علی الصبح گکھڑوی صاحب دل سے اس کے قائل نہیں جسکی ایک واضح دلیل انکی کتاب "ازالۃ الریب"، بھی ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد وسعت علمی کی نفی میں لکھی ہے۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ عدم علم وفات خود کی بحث چلائی ہے ملاحظہ ہو (ازالۃ الریب ص تا ص طبع

لطف یہ کہ پیش نظر حدیث (سنۃ الخلفاء الراشدین) کو خود انہوں نے بھی استناداً نقل کیا ہے اور عوام پر رعب ڈالنے کے لیے اس کے ثبوت میں کئی کتب حدیث بھی گن سنائی ہیں ملاحظہ ہو (راہ سنت ص۳۰ بحوالہ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابو داؤد۔ مسند دارمی۔ مسند احمد۔ مستدرک قال الحاکم والذھبی صحیح)

گنگوہی صاحب سے تائید: فخر الحسن گنگوہی صاحب حدیث ہذا کے تحت اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "ھذا من الاخبار بالغیب عن خلافۃ الائمۃ الاربعۃ ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم"

یعنی خلفائے راشدین حضرت ابوبکر حضرت عثمان حضرت اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کہہ کر غیب کی خبر دی ہے کہ یہ حضرات آپ کے بعد مسند آرائے سریر خلافت ہوں گے۔ ملاحظہ ہو (ابو داؤد ج۲ ص۲۷۹ حاشیہ نمبر۱ طبع کراچی۔

حدیث میں بدترین خیانت

البتہ سخت مجرمانہ خیانت اور قطع و برید سے کام لیتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے حدیث ہذا کا ابتدائی حصّہ (جس میں ان ھذہ لموعظۃ مودّع کے الفاظ ہیں جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیلئے وفات خود کے علم اور اس پر صحابہ کرام کے اعتقاد کی دلیل ہیں) شیر مادر سمجھتے ہوئے ہضم کر گئے ہیں اور حدیث کو ان لفظوں سے نقل کرکے (

) یہ باور کرانے بلکہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے کہ یہی حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں جس کی جتنی مذمت کی جائے، اتنی کم ہے، جس سے کم از کم اتنا ضرور واضح ہو گیا کہ حدیث ہذا کا وہ حصّہ جسے انہوں نے مفید مطلب سمجھا اس پر وہ شاید ایمان رکھتے ہیں اور جو ان کی طبع کیلئے بار گراں تھا وہ لے صاف اڑا گئے سو میٹھا ہپ اور کڑوا تھو کا آئینہ دار ہے اور " افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون "، کا پورا مصداق۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

نوٹ :۔ زمانہ یا اہل زمانہ کے حاکم شرعی نہ ہونے کی مزید مکمل مدّلل بحث حدیث خیر الناس قرنی الخ کے جواب میں چند سطور کے بعد آرہی ہے (اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں)

خلفاء راشدین کے مصداق کی بابت گکھڑوی صاحب سے سوال

پیش نظر (زیر بحث) حدیث کے الفاظ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الخ میں خلفاء راشدین سے کون حضرات مراد ہیں؟ اگر ان سے مراد اصحاب خمسہ (یعنی حضرت صدیق اکبر تا حضرت امام حسن) رضی اللہ عنہم ہیں تو گکھڑوی صاحب اسے رد کر چکے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو (جنہوں نے ۱۰۱ ہجری میں وفات پائی تھی) بھی خلفاء راشدین میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں "وہ خلیفہ راشد اور پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز المتوفی ۱۰۱ ہجری"، اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صہ ۱۵)

اور اگر ان کے مصداق قیامت تک آنیوالے کوئی اور خلفاء راشدین ہیں تو یہ بھی گکھڑوی صاحب کے انتہائی خلاف ہے کیونکہ ان کے حسب نظریہ، شریعت صرف تین ادوار تک بند ہے جس کے لئے انہوں نے ۲۲۰ ہجری تک کی قید بھی بیان کردی ہے۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صہ ــــ)

جس کا معیاری دلائل سے تسلی بخش جواب ان کے ذمہ ہمارا واجب الاداء قرض ہے۔ یعنی آیت ہو تو صریح ہو اور حدیث ہو تو صحیح بھی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ ان خلفاء نے جو کیا ہو وہ جائز اور جو انہوں نے نہ کیا ہو ناجائز ہے جبکہ حدیث خیر الناس قرنی الخ بھی اس کی دلیل نہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں مفصلاً آرہا ہے۔

حدیث ہذا کا صحیح مفہوم

حدیث ہذا کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اس کے جملہ الفاظ طرق کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ (جو بالتمام والکمال نقل کئے جا چکے ہیں) دو امور کا طے کر لینا ضروری ہے جو یہ ہیں نمبر۱ اس میں جن حضرات کو خلفاء راشدین فرمایا گیا ان کا مصداق کون ہیں اور نمبر۲ سنّت کے معانی نیز اس میں وارد لفظ سنّت کے معنیٰ مقصود کی تعیین۔

امر اوّل کی توضیح: حدیث ہذا میں جن حضرات کو خلفاء راشدین فرمایا گیا ہے ان سے مراد قطعی طور پر وہ حضرات ہیں جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات حسرت آیات کے متصلاً بعد مسند آرا سریر خلافت ہوئے (بالفاظ دیگر اس میں خلافت خاصّہ کا بیان ہے خلافت مطلقہ نہیں جس کا ذکر اثنا عشر خلیفۃ والی حدیث میں ہے) جن میں سب سے اوّل وہ ہیں جنہیں اعلانِ نبوّت کے بعد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے ("اوّل من اسلم" ہونے) کا عظیم شرف حاصل ہے اعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سفر و حضر کے ساتھ رفیق ہجرت، یارِ غار، یارِ مزار و یارِ حوض کوثر حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جس کی ایک

واضح دلیل حدیث ہٰذا کے یہ الفاظ بھی ہیں:۔

فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافًا کثیرًا اوشدیدًا"

یعنی اے میرے صحابہ! میری وفات کے بعد تم میں سے جو اس دنیا میں ہوگا وہ بہت سخت اختلاف دیکھے گا۔ اھ

جبکہ "بعدی" میں متبادر بعدیت متصلہ ہے جس کی ایک دلیل حدیث الخلافۃ ثلٰثون سنۃ" جو چند سطور بعد آرہی ہے) کے علاوہ حدیث ھٰؤلاء ولاۃ الامر من بعدی بھی ہے ملاحظہ ہو (المستدرک ج ۳ ص۵۴۸ ص۵۸۹ نمبر۴۳۲۴۔ وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ) نیز ج ۴ ص۵۳ میں یہ لفظ ہیں۔" ھٰؤلاء الخلفاء من بعدی" حاکم نے اس کے بارے میں کہا ھٰذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ اھ

پھر اسی پس منظر میں فرمایا:۔ فعلیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الخ

حضرت صدیق اکبر کے بعد باقی خلفاء وہی ہیں جو وفات نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تیس سال کے عرصۂ اختتام تک ہیں جن میں سے آخری خلیفہ سیّدنا حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ تیس سال کی تکمیل آپ ہی کے خلافت سے دستبردار ہونیکے ایام پر ہوتی ہے جس کی تائید مبحث فیہ حدیث کے الفاظ میں لفظ خلفاء سے بھی ملتی ہے جو جمع کا صیغہ ہے نیز اس کی صریح دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے منقول آپ کا حسب ذیل ارشاد گرامی بھی ہے۔

حدیث الخلافۃ ثلٰثون سنۃً

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " الخلافۃ ثلٰثون سنۃ ثم تکون ملکاً "، ملاحظہ ہو (شرح السنۃ ج ص طبع بیروت) نیز البیہقی فی المدخل (ق ۴) والطبرانی فی الکبیر (۱۳) نیز دلائل النبوۃ بیہقی (۲ ص ۵۵۳) نیز البدایہ والنہایہ (۳ ص ۲۱۸) ملاحظہ ہو (المستدرک ج ۳ ص ۵۴۸ حاشیہ

ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں :-

الخلافۃ ثلٰثون عاماً ثم یکون بعد ذلک الملک"

ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۰ طبع مکۃ المکرمۃ)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔ " الخلافۃ ثلٰثون عاماً ثم الملک "، ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱)

ایک اور روایت میں یوں ہے۔ " الخلافۃ فی امتی ثلٰثون سنۃ ثم ملک بعد ذلک "، ملاحظہ ہو (جامع الترمذی ج ۲ ص ۴۶ طبع ایچ ایم سعید کراچی)

بعض میں یہ لفظ ہیں۔ " الخلافۃ فی امتی ثلٰثون سنۃ ثم ملکاً بعد ذلک "، اھ ملاحظہ ہو (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱ طبع مذکور)

ایک اور روایت میں ہے : الخلافۃ فی امتی ثلٰثون عاماً ثم یکون ملک

نیز اسکے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں'' قلت فمعاویة قال کان اول الملوک ''

ملاحظہ ہو (مسند الطیالسی صفحہ ۱۵۱ حدیث ۱۱۰۷ طبع بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:۔ الخلافة ثلثون سنة وسائر هم ملوک والخلفاء والملوک اثنا عشر''

ملاحظہ ہو (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۸ صفحہ ۲۲۶۔۲۲۷ حدیث ۶۶۲۳ طبع دار المعرفۃ بیروت۔ لبنان)

بعض روایات میں ہے:۔ ''خلافة النبوة ثلثون سنة''

ملاحظہ ہو (سنن ابی داوٗد ج ۲ صفحہ ۶۳۵ طبع کراچی المستدرک ج ۴ صفحہ ۱۲۳ حدیث ۴۵۱۷ طبع دار المعرفۃ بیروت۔ لبنان)

بعض میں اسکے بعد یوں بھی ہے۔ ''ثم یؤتی الله الملک من یشاء ''

ملاحظہ ہو (سنن ابی داوٗد ج ۲ صفحہ ۶۳۷)

بعض میں اسطرح ہے: ''خلافة النبوة ثلاثون عاما ثم تکون ملکا'' اھ

ملاحظہ ہو (المستدرک ج ۴ صفحہ ۱۷ حدیث ۴۴۹۵ قال الحاکم باسناد صحیح نیز البزار المستدرک جلد ۴ صفحہ ۱۷ حدیث ۴۴۹۵)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے اس تیس سالہ مدت کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے

روایت ہذا اپنے تلمیذ سعید بن جمہان سے فرمایا: امسك خلافة ابی بکر سنتین وخلافة عمر عشرة وعثمان اثنی عشرہ وعلی ستة"، اھ

ملاحظہ ہو (واللفظ للبغوی) شرح السنہ ج صـ حدیث ۳۷۵۸ طبع بیروت سنن ابی داؤد ج ۲ صـ ۶۳۸ طبع کراچی جامع الترمذی ج ۲ صـ ۴۶ طبع کراچی۔ المستدرک للحاکم ج ۴ صـ ۱۴۴، ۱۴۷ حدیث ۴۳۹۵، ۴۷۵۱ طبع بیروت۔ مسند احمد ج ۵ صـ ۲۲۰، ۲۲۱ طبع مکۃ المکرمۃ، مسند ابی داؤد، الطیالسی صـ ۱۵۱ حدیث ۱۱۰۷ طبع بیروت)

نوٹ: ایک روایت میں اَمسِکْ بصیغۂ امر کی بجائے اَمْسَکَ بصیغۂ ماضی ہے ملاحظہ ہو المستدرک ج ۴ صـ ۱۴۴ حدیث ۴۷۵۱) روایت ہذا کے بعض طرق میں منکرین خلافت علی کی سخت لفظوں میں تردید بھی منقول ہے چنانچہ ابوداؤد (ج ۲ صـ ۶۳۸ طبع کراچی) میں ہے سعید بن جمہان نے فرمایا:۔ قلت لسفینة ان ھؤلاء یزعمون ان علیا لم یکن بخلیفة قال کذبت استاہ بنی الزرقاء یعنی بنی مروان" اھ جامع الترمذی (ج ۲ صـ ۴۶ طبع کراچی) میں ہے:۔ فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیھم قال کذبوا بنوالزرقا بل ھم ملوک شر الملوک" اھ

یعنی میں نے حضرت سفینہ سے عرض کی بنوامیہ کے فلاں فلاں افراد کا زعم یہ ہے کہ خلافت ان کا حق ہے۔ حضرت علی خلفاء میں سے نہیں تھے تو آپ نے فرمایا یہ بنو زرقا یعنی بنومروان کی جھوٹی بکواس ہے جو سو ہان ہے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خلفاء نہیں یہ تو ملوک ہیں اور وہ بھی بدترین مخلوق۔ اھ

کیفیت حدیث ہذا

علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے مسند احمد اور طبرانی کے روایت ہذا کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ملاحظہ ہو "رجال احمد والطبرانی ثقات" یعنی امام احمد اور طبرانی کے روایت ہذا کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ملاحظہ ہو (شرح السنہ ج حاشیہ۔ طبع بیروت)

امام ترمذی نے فرمایا "ھٰذا حدیث حسن" یعنی یہ حدیث حسن ہے۔ ملاحظہ ہو (جامع الترمذی ج ۲ ص۴۶)۔

نیز شرح السنہ (ج ص طبع بیروت کے حاشیہ) میں ہے "صحیح ابن حبان) ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

نیز المستدرک للحاکم (ج ۳ ص۷۸ ۵ حدیث ۴۴۳۱ کے تحت حاشیہ) میں ہے وھو حدیث صحیح۔ یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے:۔ وقد صحح الامام احمد و احتج به علی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ "، یعنی امام احمد بن حنبل نے حدیث ہذا کو صحیح قرار دیا اور حضرات خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم حضرت عثمان غنی اور حضرت علی) رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافتوں کے برحق ہونے کی دلیل بتاتا ہے۔

ملاحظہ ہو (جامع العلوم والحکم ص۲۴۹ طبع مکۃ المکرمہ)

توضیح از اقوال علماء

امام محی السنہ بغوی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث ہذا میں مذکور "الخلفاء راشدین" کے مصداق کی وضاحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

والحدیث یدل علی تفضیل الخلفاء الراشدین علی من سواھم من الصحابۃ وھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی فھؤلاء افضل الناس بعد النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ حضرات خلفائے راشدین دیگر صحابہ کرام سے مرتبہ میں زائد ہیں اور وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ہیں پس یہ حضرات ، انبیاء ورسل کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اھ ملاحظہ ہو (شرح السنہ ج ص طبع بیروت)

علامہ علی القاری حنفی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :۔ قیل ھم الخلفاء الاربعۃ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ (الیٰ) وقیل ھم ومن علیٰ سیرتھم من ائمۃ الاسلام المجتھدین فی الاحکام فانھم خلفاء الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فی احیاء الحق وارشاد الخلق واعلاء الدین وکلمۃ الاسلام" اھ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ نمبر ۲۴۲ تا ۲۴۳ طبع ملتان

علامہ طیبی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں ، ”والمراد بالخلفاء راشدین ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین ،، یعنی اس حدیث میں خلفاء راشدین سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں اھ۔

ملاحظہ ہو (الکاشف عن حقائق السنن المعروف طیبی شرح مشکوٰۃ ج ا ص۳۳۰ طبع کراچی)

علامہ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے ”والخلفاء الراشدون الذین امرنا بالاقتداء بھم ھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم فان فی حدیث سفینۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ثم یکون ملکا ،، یعنی وہ خلفاء راشدین جن کی پیروی کرنے کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سفینہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس برس تک ہو گی اس کے بعد ملوکیت ہو گی اھ۔ ملاحظہ ہو (جامع العلوم والحکم ص۲۴۹

شیخ محقق شاہ عبدالحق حنفی محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں

ومراد بخلفاء راشدین خلفاء اربعہ داشتہ اند وہر کہ بر سیرت ایشاں برود موافق سنت عمل کند حکم ایشاں دارد نہ ہر کہ بہوائے نفس خود بدعتے پیدا کند۔ اھ

ملاحظہ ہو (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی ج ۱ ص ۱۲۹ طبع مکتبہ نوریہ سکھر)

خلاصۂ عبارتین

علامہ علی القاری اور شیخ محقق کی ان دونوں عبارتوں کا خلاصۂ مفہوم یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور "الخلفاء الراشدین" سے مراد از روئے معنی حقیقی حضرات خلفاء اربعہ ہیں یعنی حضرت صدیق، حضرت فاروق حضرت ذوالنورین اور حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعد میں آنیوالے وہ حضرات (آئمۂ دین خواہ وہ فقہا ہوں یا تقویٰ شعار بادشاہان اسلام) جو ان کے کامل طور پر نقش قدم پر ہوں وہ حکماً خلفاء رسول ہیں صلی اللہ علیہ وبہ علیھم وسلم۔

شاہ عبدالغنی مدنی حنفی

حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی حنفی رحمہ اللہ کے برادر خورد شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی حنفی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے۔

الخلفاء الراشدين الذين اتبعوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
قولاً وفعلاً وعملاً وھم الخلفاء والخمسة بعدہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
اعنی ابابکر وعمر وعثمان وعلیًّا والحسن رضی اللّٰہ عنہم
الذین ینطبق علی خلافتھم ھٰذ الحدیث الخلافة بعدی ثلٰثون
سنّة فھٰذہ الخمسة لاشک لاحد من اھل السنّة انھم موارد
حدیث الخلافة ومن العلماء من عمّ کل کان علی سیرتہ
علیہ السلام من العلماء والخلفاء کالائمة الاربعة المتبوعین
والائمة العادلین کعمر بن عبد العزیز کلھم موارد لھٰذا
الحدیث» اھ

(ملاحظہ ہو انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ ص۵ طبع کراچی)

اقول: اس میں مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کی منقولہ بالا عبارتوں کے مضمون سے
ایک بات زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا حسن
مجتبیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلفاء راشدین میں سے ہیں اور حق بھی یہی ہے کیونکہ یہ اثبات ہے
اور آپ کو ان میں شامل نہ کرنا نفی ہے جبکہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے علاوہ ازیں آپکو
ان میں شامل نہ کرنے سے علی التحقیق حضرت علی پر ۳۰ برس پورے نہیں ہوتے رہی
روایت سعید بن جمہان کہ ۳۰ برس حضرت علی پر پورے ہوتے ہیں (کما مرّ آنفاً)؟ تو اس
پر خود اس روایت کے بعض رواۃ کا کلام موجود ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل نے
باسناد خود حدیث ہذا کے راوی حشرج بن نباتہ العبسی الکوفی کے حوالہ سے بیان

فرمایا کہ موصوف نے کہا "ثم نظرت بعد ذلک فی الخلفاء فلم اجده یتفق لهم ثلثون" یعنی حدیث ہذا کو لینے کے بعد میں نے اس کے اس حصے میں (جس میں خلفاء اربعہ کی مجموعی مدت خلافت کا ۳۰ برس ہونا مذکور رہے) غور کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر تیس برس کا مکمل ہونا نہ پایا اھ۔

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵ ص ۲۲۱ طبع مکۃ المکرمۃ)

حضرت امام حسن کو ذکر نہ کرنے کی وجہ

اقول:۔ بعض شارحین وغیرھم کے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا نام نامی خلفاء راشدین میں ذکر نہ کرنے کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ الغاء کسر کے قاعدہ کی بناء پر ہو کیونکہ آپ انتہائی قلیل مدت (چند ماہ چند ایام) مسند خلافت پر رہے۔ باطنی حوالے سے جس سے مقصود اصلی بقیہ مدت خلافت راشدہ کی تکمیل تھی الغاء کسر کا مطلب ہے کسی چیز کے ساتھ معمولی کمی بیشی کا ذکر نہ کرنا مثلاً گھڑی پر ایک بجنے میں دو منٹ باقی ہوں یا ایک بج کر ایک دو منٹ اوپر ہوں تو ٹائم بتاتے وقت عموماً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ایک بجا ہے (وغیرہ) ۔حدیث شریف سے اس کی عمدہ مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری عمر شریف علی الصحیح وعلی القول المحقق تریسٹھ ۶۳ برس ہے مگر بعض کتب سیر و تواریخ بلکہ کتب حدیث میں بھی ساٹھ (۶۰) برس لکھی ہے۔ ملاحظہ (صحیح البخاری و شمائل الترمذی مع شرح المناوی باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جو ایک توجیہ کے مطابق اسی الغاء کسر والے قاعدہ پر مبنی ہے (کما صرح به غیر واحد من الشراح)

خلافتِ نبوّت کا معنیٰ

خلافت علی المنہاج النبوۃ کا ایک معنی یہ بیان کیا گیاہے کہ اس کے حاملین کامل واکمل طور پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت وسنّت طیبہ کے پابند ہوں چنانچہ علامہ بغوی نے امام حمید بن زنجویہ کے حوالہ سے ارقام فرمایاہے کہ :-

یریك ان الخلافة انما هی للذین صدقوا هذا الاسم باعمالهم وتمسکوا بسنة رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من بعدہ فاذا خالفوا السنة وبدلوا السیرۃ فهم حینئذ ملوک وان کانت اسامیهم الخلفاء ،، یعنی خلافت راشدہ کہلانے کی مستحق ان خلفاء کی خلافت ہے جنہوں نے اپنے عمل سے اس کی لاج رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کو آپ کے بعد مضبوطی سے تھاما لیکن جنہوں نے سنت کی خلاف ورزی کی اور سیرۃ طیبہ کے برعکس کیا تو وہ اگرچہ خلفاء کے نام سے موسوم ہوں ، درحقیقت ملوک ہیں اھ ملاحظہ ہو (شرح السنۃ ج ص طبع بیروت)

نیز اس کی ایک توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس تیس سالہ مدّت میں سر اٹھانے والے فتنات اور رونما ہونے والے اختلافات اس امر کے متقاضی تھے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس دنیا میں رہ کر ان کی سرکوبی اور اسلام کی شیرازہ بندی فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کئی حکمتوں کی تکمیل کے لئے آپ علیہ السلام کو اس دنیا سے اٹھالیا

اور وہی کام جو اس نے آپ سے لینا تھا آپ کی نیابت میں حضرات خلفاء راشدین سے لیا۔ اس لئے ان کی خلافت کو خلافت نبوت سے تعبیر کیا گیا۔ (کما اشار الیہ الشیخ الشاہ ولی اللہ قطب الدین احمد المحدث الدھلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی تالیفہ الانیق "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" وغیرہ فی غیرھا)

فائدہ عظیمہ:

بیان بالا سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ بعد والے باشرائط ملوک اسلام کتنے ہی عادل، کرم گستر اور پابند شرح کیوں نہ ہوں، ان کی خلافت راشدہ حقیقیہ کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کے لئے وفات نبوی سے تیس سال تک کی قید وارد ہے۔ ہاں اسے خلافت راشدہ سے ملحق قرار دیا جا سکتا ہے پس حضرات امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، کی خلافت کو خلافت راشدہ نیز انہیں خلیفہ راشد کہنا بھی اسی نکتہ پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امرِ دوم (مفہوم سنّت) کی توضیح

سنّت کے تین مختلف استعمال ہیں

نمبر۱:۔ حسب اصطلاح فقہاء، جو فرض و واجب کے مقابل آتی ہے۔

نمبر۲:۔ حسب اصطلاح محدّثین جو حدیث (قول، فعل و تقریر رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے معنی میں آتی ہے۔

نمبر۳:۔ بمعنی طریقہ مسلوکہ فی الدین جو "بدعت" کے مقابل آتی ہے (ان تینوں کی مکمّل اور مدّلل وضاحت کتاب ہذا کے باب دوم میں ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ سرِ دست یہاں یہ بتانا ہے کہ) حدیث ہذا میں سنّت، منقولہ بالا تیسرے معنے میں ہے جس کی دلیل اس کا سیاق و سباق نیز اس کا مکمل متن بھی ہے۔ چنانچہ اس کے آغاز میں ہے

فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً"

(اس کے مکمّل حوالہ جات کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے)

اس کے تحت **علامہ بغوی** فرماتے ہیں :۔ اشارۃ الی ظہور البدع والاھواء"

یعنی حدیث میں اختلاف کثیر کے رونما ہونے سے مراد بدعات اور نفسانی خواہشات کا ظہور ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح السنّہ ج ص طبع بیروت)

اسی طرح صحیح ابن حبان ج ۱ ص۱۶۶ حاشیہ میں بھی ہے ولفظہٗ مثل ذلک

علامہ علی القاری رقمطراز ہیں

فسیریٰ اختلافاً کثیراً" ای من ملل کثیر کل یدعی اعتقاداً غیر اعتقاد الآخر اشارۃ الی ظہور اہل البدع والاھواء او اختلافاً علی الملک وغیرہ کثیراً یؤدی الی الفتن وظہور المعاصی وولایۃ الاخساء حتیٰ العبید"۔

یعنی الفاظ حدیث "فسیریٰ اختلافاً کثیراً"، کا معنیٰ یہ ہے کہ بکثرت فرقے نمودار ہو جائیں گے جن میں سے ہر ایک کے نظریات دوسرے سے مختلف ہوں گے اس حدیث میں بدعتیوں اور نفس کے بندوں کے ظاہر ہونے کی جانب اشارہ ہے یا اختلاف سے مراد مذہبی اختلاف کے علاوہ ایسا شدید سیاسی اختلاف بھی ہو سکتا ہے جو فتنات میں پڑنے اور گناہوں کے ارتکاب اور کمینوں حتیٰ کہ غلاموں کے اقتدار پر منتج ہو۔ اھ

ملاحظہ ہو (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۲۴۲ طبع ملتان)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کے اس حصہ میں ظہور بدعات کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے پس یہ اس امر کا واضح قرینہ ہوا کہ اس میں سنت سے مراد وہ ہے جو مقابل بدعت ہوتی ہے۔ مزید سنیئے۔ اس کے آخری حصہ میں بدعات سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے یہ بھی ما نحن فیہ کی دلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ،۔ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ ہے

(حوالہ جات گذر چکے ہیں)

اور اسی پس منظر میں ارشاد فرمایا: فعلیکم بسنتی وسنۃ

الخلفاء الراشدین المھدیّین الخ

معنیٰ حدیث ہذا

لہٰذا قطعی طور پر حدیث ہذا کے زیر بحث حصّہ کا مفہوم یہ ہوا کہ میرے بعد شدید سیاسی و مذہبی اختلافات و فتنات اور بدعات رونما ہوں گی پس تم نے مد مقابلین کی بجائے خلفاء راشدین کی پیروی کرنی ہے کہ حق انہی کے ساتھ ہوگا اور وہی برحق اور میری سنّت و طریقہ کے امین و وارث ہوں گے جیسا کہ الخلفاء کے ساتھ الراشدین المھدیّین کے الفاظ اس پر شاہد عدل ہیں۔ چنانچہ زمانہ صدیقی میں فتنہ ارتداد کھڑا ہوا نیز مانعین زکواۃ نے حضرت صدیق سے اختلاف کیا۔ اسی طرح حضرت عثمان سے بلوائیوں نے اختلاف کیا۔ حضرت علی سے خوارج وغیرھم نے نیز حضرت معاویہ سے حضرت امام حسن نے صلح فرمائی۔ تو روافض نے آپ سے اختلاف کرتے ہوئے آپ کو یا مذلّ المومنین بھی کہا (معاذ اللہ) جو کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ پس ترجمان غیب صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی پیش بندی فرماتے ہوئے ان تمام اہل بدعت کی تردید فرما کر خلفاء راشدین کے ان کے مقابلہ میں برحق ہونے کی تصریح فرمادی۔ لہٰذا اس سے ضمناً یہ بھی واضح ہو گیا کہ کوئی بھی بدعتی کسی بھی زمانہ میں ان کی تغلیط کریگا تو وہ خود غلط اور جھوٹا ہوگا۔ حضرت شیخ محقّق لکھتے ہیں: پس ہر چہ خلفاء راشدین بر آں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت بنویست و اطلاق بدعت براں نتواں کرد چنانکہ فرقۂ زائغہ کنند اھ

(اشعۃ ج ا ص ۱۳۹ طبع سکّھر)

نیز یہ حدیث حضرات خلفاء راشدین کی خلافتوں کے برحق ہونے کی بھی واضح دلیل ہے پس اس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت علی کی خلافت کے برحق ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔

نیز اس سے یہ بھی روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ امور خلافت میں امت کیلئے خلفاء راشدین ہی کا طریق کار معتبر اور مشعل راہ ہوگا لہذا اس میں خلاف یزید کی مذمت ہوئی کیونکہ وہ خلفاء راشدین کے شورائی نظام سے ہٹ کر ولیعہدی کے ذریعہ ہی حکومت پر آیا تھا جس سے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بمقابلہ یزید پلید، برحق ہونے کی بھی وضاحت ہوگئی۔

شارع بنانا مقصود نہیں

اس سے مراد انہیں شارع بنانا ہرگز نہیں اور نہ ہی اس سے، خطاء اجتہادی کے عدم امکان یا عدم وقوع کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ بلا دلیل دعویٰ ہے نیز ان حضرات کی سوانح حیات کے بے شمار واقعات بھی اس پر شاہد عدل ہیں۔ جمع القرآن کے قصہ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے جو صحیحین کے حوالہ سے ابھی، کچھ پہلے گذر چکا ہے۔ جبکہ فریق آخر تو نبی کو بھی خطاء اجتہادی سے مبرا نہیں مانتا۔ چنانچہ خود گکھڑوی صاحب نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بے دھڑک یہ لفظ لکھے ہیں "تابیر نخل کے بارے میں آپ کی رائے صحیح نہ نکلی،، ملاحظہ ہو۔ گکھڑوی صاحب کی کتاب (ازالۃ الریب ص۸۹) نیز ص۹۳ پر لکھا ہے:" اجتہادی امور میں آپکی رائے میں لغزش بھی ہوسکتی ہے،، اھ

نیز اسی کے صہ ۹٦ پر لکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیوی معاملات کو نہ جاننا یا ان میں رائے کا خطا ہو جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ الخ۔ (والعیاذ باللہ العظیم)

تحقیق حدیث خیر القرون

ماخذ حدیث ہذا:۔ یہ حدیث بھی متعدد کتب حدیث میں منقول وموجود ہے جو کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مرفوعًا مروی ہے۔ ان میں سے جو ماخذ یا ان کے حوالہ جات ہمارے پیش نظر ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے اس کے لیے تمام محوّلہ کتب کتب تخریج ہیں ماسوائے الجامع الصغیر اور مشکوٰۃ کے کہ وہ کتب نقل سے ہیں جن کا حوالہ محض ان کی بکثرت شروح کی بنا پر دیا گیا ہے تاکہ حدیث کی شرح دیکھنے کیلئے ان کی شروح میں مقام بحث کو بآسانی تلاش کیا جاسکے) وھی کما تاتی:۔

نمبر ۱:۔ مسند احمد جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۸/ جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۶۷/ ۲۷۷/ ۲۷۸/ ۴۲۶/ ۴۲۷/ ۴۴۰ ۔ جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۳۵۷ طبع مکۃ المکرمہ

نمبر ۲:۔ مصنّف ابن ابی شیبہ جلد نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۱۷۵/ ۱۷۶/ ۱۷۷/ ۱۷۸ ۔ حدیث نمبر ۵۷/ ۵۸/ ۵۹/ ۶۰/ ۶۱/ ۶۲/ ۶۳/ ۱۲۴۳ طبع کراچی)

نمبر ۳:۔ صحیح بخاری جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۶۲/ ۵۱۵ طبع اصح المطابع نیز جلد ۲ صفحہ ۹۵۱/ ۹۸۵

نمبر ۴:۔ صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۰۸/ ۳۰۹/ ۳۱۰ طبع کراچی

نمبر ۵:۔ سنن ابی داؤد ج ۲ صفحہ ۲۸۴ طبع سعید کراچی

نمبر ۶:۔ جامع الترمذی جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۵/ ۲۲۶ طبع سعید کراچی

نمبر ۷:۔ سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۳۶۳ ملاحظہ ہو المستدرک جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۱۴ طبع بیروت

نمبر۸ :۔ مصنّف عبد الرزاق جلد نمبر۱۱ صفحہ نمبر۲۴۱۔ ملاحظہ ہو۔ مصنّف ابن ابی شیبہ جلد نمبر۱۲ صفحہ نمبر۱۷۷ حاشیہ۔ طبع کراچی۔

نمبر۹ :۔ مسند حمیدی جلد نمبر۱ صفحہ نمبر۹۱۔ ملاحظہ ہو۔ مصنّف ابن ابی شیبہ جلد نمبر۱۲ صفحہ نمبر۱۷۷ حاشیہ طبع کراچی۔

نمبر۱۰ :۔ مشکل الآثار طحاوی جلد نمبر۴ صفحہ نمبر۱۵۰۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد نمبر۷ صفحہ نمبر۹۱ ملاحظہ ہو المستدرک جلد نمبر۱ صفحہ نمبر۳۱۴۔ طبع بیروت (حاشیہ)

نمبر۱۱ :۔ شرح السنّہ امام بغوی جلد نمبر۷ صفحہ نمبر حدیث نمبر ۳۷۵۰-۳۷۵۱۔ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت۔

نمبر۱۲ :۔ مسند الطیالسی صفحہ نمبر ۷/۸/۳۹/۱۱۳/۲۹۹/۳۳۲۔ طبع دار المعرفہ بیروت و گوجرانوالہ پاکستان۔

نمبر۱۳ :۔ المستدرک علی الصحیحین جلد نمبر۱ صفحہ نمبر۳۱۴/۳۱۶ جلد نمبر۴ صفحہ نمبر۱۹۳/۵۹۳ طبع دار المعرفہ بیروت لبنان۔

نمبر۱۴ :۔ صحیح ابن حبان جزء نمبر۸ صفحہ نمبر۲۵۶/۲۵۷ جزء نمبر۹ صفحہ نمبر۱۸۸۔ طبع دار المعرفہ بیروت لبنان

نمبر۱۵/۱۶/۱۷/۱۸/۱۹ :۔ ابو یعلیٰ۔ طبرانی کبیر۔ ابن ابی عاصم فی السنّہ نمبر۱۴۷۶۔ عبد بن حمید۔ ملاحظہ ہو ابن ابی شیبہ ج ۲ صفحہ نمبر۱۷۶۔ طبع کراچی۔

نمبر۲۰ :۔ محمد بن اسحٰق۔ ملاحظہ ہو شرح السنّہ جلد نمبر۷ صفحہ نمبر حدیث نمبر۳۷۵ طبع بیروت۔

نمبر۲۱ :۔ مشکوٰۃ المصابیح عربی صفحہ نمبر۵۵۳/۵۵۴ باب المناقب الصحابۃ

طبع کراچی۔

نمبر۲۲:۔ الجامع الصغیر جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۸ (للامام السیوطی رحمہ اللہ) طبع سمندری پاکستان

حدیث ہذا کے الفاظ

حدیث ہذا کئی صحابہ کرام نیز بعض تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے متعدد طریق سے بالفاظِ مختلفہ مرفوعاً (متصلاً ومرسلاً) مروی ہے جن کا بالتمام والکمال نقل کرنا اگرچہ باعث طوالت ہے تاہم حدیث کی اصل منشا، نیز اس میں گھڑوی تصرفات کو سیر حاصل طریقہ سے سمجھنے کیلئے از حد ضروری ہے۔ بہر اس کے الفاظ علیحدہ علیحدہ ہر صحابی یا تابعی کی روایت کے طرق کی تفصیل کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

حدیث ہذا بہ روایت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:۔

"سأل رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس خیر؟ قال القرن الذی انا فیہ، ثم الثانی ثم الثالث" اھ

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم عربی جلد نمبر۲ صفحہ نمبر ۳۱۰ کتاب الفضائل طبع کراچی۔ نیز الجامع الصغیر للسیوطی جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۸ طبع سمندری پاکستان بحوالہ مسلم۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ جلد نمبر۱۲ صفحہ نمبر۱۷۶ حدیث نمبر ۱۲۴۵۹۔ طبع ادارۃ العلوم کراچی وفیہ

"رسول اللہ" بدل "النبی" صلی اللہ علیہ وسلم)

خلاصۂ ترجمہ روایت ہذا

یعنی ایک شخص نے ماہتاب نبوت و آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا (آپکی امت میں) لوگوں کا سب سے بڑی شان والا قرن کونسا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔ وہ قرن جس میں، میں ہوں پھر دوسرا قرن، پھر تیسرا قرن اھ

حدیث ہذا بروایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

طریق نمبرا: ابن عمر:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ کے مقام پہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامی فیکم فقال استوصوا با صحابی خیراً ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یفشو الکذب حتی ان الرجل یبتدئ بالشهادة قبل یسألها فمن اراد منکم بحبحة الجنة فلیلزم فان الشیطن من الواحد وهو من الاثنین ابعد لا یخلون احدکم بامرأة فان الشیطن ثالثهما ومن سرته حسنته وساءته سیئته فهو مؤمن" اھ ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبرا صفحہ نمبر ۱۸ طبع مکۃ المکرمہ نیز صحیح ابن حبان جزء نمبر ۹ صفحہ نمبر ۱۸۸ حدیث نمبر ۷۲۱۰ طبع بیروت (وفیہ

قبل فمن اراد الخ و "بایمین قبل ان یسئلها" وایضاً فیه "بحبوحة" بدل "بحبة") نیز المستدرک للحاکم جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۱۵ حدیث نمبر ۳۹۶ طبع دار المعرفۃ: بیروت)۔

نیز انہی (حضرت ابن عمر) سے بایں الفاظ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا پس آپ نے فرمایا :۔

یاٰیھا الناس انی قمت فیکم بمقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینا فقال اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف ویشھد الشاھد ولا یستشھد الا لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطٰن علیکم بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشیطٰن مع الواحد وھو من الاثنین ابعد من اراد بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ من سرتہ حسنتہ وساءتہ سیئتہ فذٰلکم المؤمن" اھ

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۹ ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ طبع کراچی۔

نیز المستدرک علی الصحیحین جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۱۵ حدیث نمبر ۳۹۷ ولیس فی اولہ "یاایھا الناس"

نیز انہی سے بایں الفاظ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے

جابیہ کے مقام پر ہمیں خطبہ دیتے ہوئے بتایا :۔

"انی قمت فیکم کمقام رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فینا فقال اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف ویشھد ولا یستشھد فمن اراد منکم بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطٰن مع الواحد وھو من الاثنین ابعد الا لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھما الشیطٰن قالھا ثلاثاً وعلیکم بالجماعۃ فان الشیطٰن مع الواحد وھو من الاثنین ابعد الا ومن سرّتہ حسنتہ وساءتہ سیّئتہ فھو مؤمن" اھ

ملاحظہ ہو المستدرک جلد نمبر۱ صفحہ نمبر۱۱۴ حدیث نمبر۳۹۵ طبع بیروت نیز اسی کے صفحہ پر حاشیہ میں ہے کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ نمبر۲۳۶۳ مشکل الآثار طحاوی جلد نمبر۴ صفحہ نمبر۱۵۰۔ اور سنن کبریٰ بیہقی جلد نمبر۷ صفحہ نمبر۹۱ (وغیرھا) میں بھی ہے۔

طریقِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم میں کھڑے ہو کر فرمایا :۔

"رحم الله رجلا سمع مقالتي فوعاها اني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف فينا كمقامي فيكم ثم قال احفظوني في اصحابي ثم الذين يلونهم ثم الذين ثلاثا يكثر الهرج ويظهر الكذب ويشهد الرجل ولا يستشهد ويحلف ولا يستحلف من احب منكم بحبوحة الجنة فعليه بالجماعة فان الشيطان مع الواحد وهو من الاثنين ابعد الا لايخلون رجل بامرأة فان الشيطان ثالثهما من سرته حسنته وساءته سيئته فهو مومن" اه

ملاحظہ ہو (المستدرک جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۲۱۶/۲۱۵ حدیث نمبر ۳۹۸ طبع بیروت

طریق ۳ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ

علاوہ ازیں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں جابیہ میں خطبہ دیا پس آپ نے فرمایا :۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامی فیکم فقال اکرموا اصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولم یستحلف ویشھد ولم یستشھد فمن اراد بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطٰن مع الواحد وھو من الاثنین ابعد ولا یخلون رجل بامرأۃ فان ثالثھما الشیطٰن ومن سرّتہ حسنتہ وساءتہ سیّئۃ فھو مؤمن اھ ۔

ملاحظہ ہو (مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ نمبر ۷ طبع دار المعرفۃ بیروت و گوجرانوالہ پاکستان)

نیز انہی سے حسبِ ذیل لفظوں سے مروی ہے کہ :۔

"قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامی فیکم الیوم فقال احسنوا الی اصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب حتی یشھد الرجل علی الیمین لا یسألھا فمن اراد بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطٰن مع الواحد وھو مع الاثنین ابعد ولا یخلو احدکم بالمرأۃ فان الشیطٰن

ثالثهما ومن سرّته حسنته وساءته سيئته فهو مؤمن "، اھ

ملاحظہ ہو (صحیح ابن حبان جزء نمبر ۸ صفحہ نمبر ۲۵۷ حدیث نمبر ۶۶۹۳ طبع بیروت)

طریق قبیصہ بن جابر

نیز قبیصہ بن جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں باب جابیہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام فینا کمقامی فیکم ثم قال ایھا الناس اتقوا اللہ فی اصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم اتقوا الکذب وشھادۃ الزور اھ

ملاحظہ ہو (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ صفحہ نمبر ۱۷۷ حدیث نمبر ۱۲۳۶۲ طبع کراچی۔ نیز اسی میں اسی صفحہ پر اس کیلئے مصنف عبد الرزاق جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۳۴۱ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

طریق سلیمان بن یسار

نیز سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا :۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کقیامی فیکم فقال اکرموا اصحابی

ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب حتی یشهد الرجل ولم یستشهد ويحلف ولم يستحلف الا لا يخلون رجل بامرأة فان ثالثهما الشيطان الا ومن سرته بحبحة الجنة فان الشيطان مع الفذ وهو من الاثنين ابعد الا ومن سرته حسنته وساءته سيئة فهو مومن اھ۔

ملاحظہ ہو (مسند الحمیدی جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۹/۲۰ حدیث نمبر ۳۲ مسند عمر رضی اللہ عنہ، طبع مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

طریق معاویہ بن قرۃ

نیز معاویہ بن قرۃ سے ایک طویل قصہ میں مروی ہے انہوں نے کہا میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محفل نصیب ہوئی تو آپ نے سلسلۂ کلام میں ارشاد فرمایا:۔

"سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول خير امتي الذين انا منهم ثم الثاني ثم الثالث ثم ينشأ قوم تسبق ايمانهم شهادتهم يشهدون من غير ان يستشهدوا لهم لغط في اسواقهم" الحديث۔

ملاحظہ ہو (مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ نمبر ۷/۸ طبع دار المعرفۃ بیروت و گوجرانوالہ پاکستان)

ایک اور حوالہ

عن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یظهر الکذب حتی ان الرجل لیحلف ولا یستحلف ویشهد ولا یستشهد الا من سرہ بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطٰن مع الفذ وهو من الاثنین ابعد ولا یخلون رجل بامرأة فان الشیطٰن ثالثهم ومن سرته حسنته وساءته سیئته فهو مؤمن رواہ .... اھ

ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح عربی صفحہ نمبر ۵۵۴ باب مناقب الصحابة رضی اللہ عنہم طبع کراچی۔

علامہ علی القاری اس کے تحت ارقام فرماتے ہیں :۔

ھنا بیاض فی اصل المصنف والحق به النسائی اھ

ملاحظہ ہو (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۲۷۸ طبع ملتان۔

حدیث ہذا بروایۃ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

حدیث ہذا کے الفاظ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے چھ طرح سے منقول ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا۔

نمبرا:۔ "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ اقوام تسبق شھادۃ احدھم یمینہ شھادۃ قال ابراھیم و کانو یضربوننا علی الشھادۃ والعھد"، اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۶۲ طبع کراچی)

نیز: خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ قال ابراھیم و کانوا یضربوننا علی الشھادۃ والعھد ونحن صغار" اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۵۱۵ طبع کراچی)

نیز "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ من بعدھم قوم تسبق شھادتھم ایمانھم و ایمانھم شھادتھم اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۹۵۱ طبع کراچی)

نیز "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یأتی قوم بعد ذلک تسبق ایمانھم شھاداتھم او شھاداتھم ایمانھم،، اھ

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی جلد نمبر۲ صفحہ نمبر ۲۲۶ طبع کراچی)

نیز: "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم الثالث ثم یجیئ قوم لا خیر فیھم،، اھ

ملاحظہ ہو (طبرانی کبیر۔ الجامع الصغیر جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۸ طبع سمندری پاکستان)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی تمام لوگوں میں سے بڑی شان والا قرن، میرا قرن ہے۔ پھر وہ ہیں جو ان کے بعد ہوں گے۔ ان کے بعد وہ جو ان (بعد والوں) کے بعد ہوں گے۔ یا فرمایا لوگوں میں بہتر میرا قرن ہے۔ پھر دوسرا پھر تیسرا۔ پھر ان کے بعد ایک قوم آئے گی یا فرمایا کچھ قومیں آئیں گی کہ ان میں سے ہر ایک کی گواہی اس کی قسم سے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے سبقت کرے گی یا یوں فرمایا کہ ان کی گواہیاں ان کی قسموں سے اور ان کی قسمیں ان کی گواہیوں سے سبقت کریں گی۔ یہ لوگ خیر سے خالی ہوں گے۔ راوی حدیث ہٰذا امام ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ ہمارے بزرگان ہماری تعلیم کیلئے گواہی اور عہد کے مسئلہ میں ہماری تادیب فرماتے تھے جبکہ ہم ابھی نابالغ بچے تھے اھ (ملخصاً)

روایت ہذا کے جملہ طرق مذکورہ کا خلاصۂ ترجمہ

یعنی اے لوگو! میری دعا ہے کہ جو شخص میری بات کو بغور سن کر اسے دل میں جگہ دے، اللہ اس پر رحمت فرمائے، جیسے آج میں تم میں کھڑا گفتگو کر رہا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایسے ہی ہم میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا:- لوگو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم میرے صحابۂ کرام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان کا احترام بجا لانا، ان کے ساتھ اچھا حسن سلوک سے پیش آنا، میرے صحابہ کے بارے میں مجھے اس کی گارنٹی دو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تم میں سب سے برگزیدہ ہیں پھر ان لوگوں کے متعلق تمہیں وصیت کرتا ہوں جو ان کے بعد والے ہیں پھر ان کے بارے میں جو ان کے بعد والوں کے بعد ہوں گے۔ میری امت کا وہ طبقہ جس سے میں ہوں۔ شان میں میری تمام امت سے بڑھ کر ہے۔ پھر دوسرے طبقہ کا مرتبہ ہے اس کے بعد تیسرا طبقہ بعد والوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ اس کے بعد جھوٹ پھیلے گا۔ ناحق قتل عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی، مطالبہ کے بغیر از خود گواہی دینے لگے گا۔ اور بلا ضرورت قسمیں اٹھائے گا۔ یا فرمایا کہ پھر ایسے لوگ نکلیں گے کہ جن کی قسمیں ان کی گواہیوں سے سبقت کریں گی یہاں تک کہ وہ کہے بغیر گواہیاں دیں گے۔ بازاروں میں بے ہودہ گوئی کے مرتکب ہوں گے۔ تو خوب سن لو! جو تم میں سے وسط جنت (یعنی جنت الفردوس) کا خواہاں ہو۔ وہ جماعت (اہل حق) سے وابستہ رہے۔ یا یہ فرمایا کہ جماعت اہل حق کو لازم پکڑنا تم پر فرض ہے کیونکہ شیطان، جماعت سے الگ ہو جانے والے پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور وہ دو (یعنی

جماعت) سے بہت دور بھاگتا اور کنّی کتراتا ہے۔

کان کھول کر سن لو! تم میں سے کوئی کسی غیر عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہرگز ہرگز نہ بیٹھے کیونکہ ایسے دو میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ یا فرمایا ورنہ ان میں تیسرا شیطان ہوگا۔ اور آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔ جھوٹ سے اور جھوٹی گواہی دینے سے بچو جسے نیک کام کرنے پر قلبی فرحت و مسرّت حاصل اور برائی کرنے پر دلی رنج اور افسوس محسوس ہو تو وہ اہل ایمان ہے اھ ملخّصًا

نمبر ۲:۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے:۔

خیر امتی قرنی الذی یلونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم تسبق شھادۃ احدھم یمینہ ویمینہ شھادتہ (وفی روایۃ ثم یجیئ اقوام) اھ

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۹ طبع کراچی۔ نیز ابن ابی شیبہ جلد نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۱۷۵، ۱۷۶ احدیث نمبر ۱۲۴۵۷ وفی القرن الذی یلونی)

نیز " خیر امّتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم تسبق ایمانھم شھادتھم ویشھدون قبل ان یستشھدوا ،، اھ

ملاحظہ ہو (مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ نمبر ۳۹۔ حدیث نمبر ۲۹۹۔ طبع بیروت لبنان وگوجرانوالہ پاکستان)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی میری امت میں سب سے بڑی شان والا قرن وہ ہے جسے میرا قرب حاصل ہے پھر جو ان سے متصل ہیں پھر جو اُن سے متصل ہیں۔ پھر ایک قوم آئے گی یا فرمایا ایسی کچھ قومیں آئیں گی کہ ان کے ہر فرد کی گواہی اس کی قسم سے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے سبقت کریگی یا فرمایا کہ ان کی قسمیں ان کی گواہیوں سے اس طرح سبقت کریں گی کہ وہ بغیر طلبی کے از خود خواہیاں دیں گے اھ (ملخصًا)

نمبر ۳:۔ بعض روایات میں اس طرح ہے:۔

"سئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ای الناس خیر قال قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ قال ابراھیم وکان اصحابنا ینھونا ونحن غلمان ان یحلف بالشھادۃ والعھد" اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۹۸۵ طبع کراچی)

نیز "سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ای الناس خیر؟ قال قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم تبدر شھادہ احدھم یمینہ شھادہ قال ابراھیم کانوا ینھوننا ونحن غلمان عن العھد والشھادات" اھ۔ ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۹ طبع کراچی)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی اللہ کے نبی و رسول برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر مقام والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا قرن۔ پھر ان کے بعد والے پھر ان (بعد والوں) کے بعد والے۔ پھر کچھ لوگ آئیں گے جن کے ہر شخص کی قسم اس کی گواہی سے اور اس کی گواہی اس کی قسم سے سبقت کریگی۔ امام ابراہیم نخعی (راوی حدیث) نے فرمایا ہمارے حضرات ہمیں گواہیوں اور عہد کا حلف اٹھانے سے سختی سے روکتے تھے جبکہ ہم چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے تھے۔ اھ

نمبر۴:۔ بعض روایات میں اس طرح وارد ہے:۔

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فلا ادری فی الثالثۃ اوفی الرابعۃ قال ثم یتخلف بعدھم خلف تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ۔ اھ

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد نمبر۲ صفحہ نمبر ۳۰۹ طبع کراچی)

نیز " خیر الناس اقرانی الذین یلونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قال ولا ادری أقال فی الثالثۃ أو فی الرابعۃ ثم یخلف بعدھم خلف تسبق شھادۃ احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ " اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۱۷ طبع مکۃ المکرمۃ وبیروت)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی تمام لوگوں میں فضیلت میں سب سے بڑھ کر میرے اقران ہیں۔ جنہیں میرا قرب حاصل ہے۔ پھر ان کے بعد والے۔ پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ آپ نے یہ تیسری مرتبہ میں فرمایا تھا یا چوتھی مرتبہ میں کہ ان کے بعد آنیوالے لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کی گواہی ان کی قسم سے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے پہل کریگی۔ اھ (ملخصًا)

نمبر ۵:۔ ایک روایت میں یوں ہے:۔

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم یلونھم ثلثًا اواربعًا ثم یجیئ قوم تسبق شھادۃ احدھم ویمینہ ویمینہ شھادتہ قال وکان اصحابنا یضربوننا ونحن صبیان علی الشھادۃ والعھد اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۴۳۴ طبع مذکور)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی تمام لوگوں میں افضل میرا قرن پھر ان کے بعد والا پھر ان کے بعد والا ہے۔ آپ نے "ثم الذین یلونھم" تین بار یا چار بار فرمایا۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ ان کے ہر شخص کی گواہی اس کی قسم پر اور اس کی قسم اس کی گواہی پر سبقت کریگی۔ راوئ حدیث امام نخعی نے فرمایا کہ ہمارے سرپرستگان ہمیں گواہی دینے اور وعدہ

کرنے پر سزا دیتے تھے جبکہ ہم نابالغ بچے ہوتے تھے ۔ اھ ملخصًا

نمبر ۶:۔ ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے:۔

" خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یأتی بعد ذلک قوم تسبق شھاداتھم ایمانھم وایمانھم شھاداتھم " اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۷۸ طبع مکۃ المکرمۃ و بیروت)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی تمام لوگوں میں بڑی فضیلت والا میرا قرن ہے ۔ پھر ان کے بعد والا پھر جو ان کے بعد ہے پھر جو ان کے بعد ہے ۔ اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ جن کی گواہیاں ان کی قسموں سے اور ان کی قسمیں ان کی گواہیوں سے سبقت کریں گی ۔ اھ

حدیث ہذا بروایت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

حدیث ہذا بروایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ اپنے مبحث فیہ حصہ کے حوالہ سے پانچ طرح سے منقول ہے چنانچہ اس کے بعض طرق میں دو[1] قرن مذکور ہیں۔ بعض میں دو[2] اور تین کا شک مذکور ہے۔ بعض صرف[3] تین قرون بیان کئے گئے ہیں۔ بعض میں شک کے ساتھ تین اور[4] چار قرون کا ذکر ہے۔ جبکہ بعض میں چار[5] قرون مذکور ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

قسم اوّل نمبر ا:- "خیر هٰذه الامة القرن الذی بعثت فیهم ثم الذین یلونهم ثم ینشأ قوم ینذرون ولا یوفون ویخونون ولا یؤتمنون ولا یشهدون ولا یستشهدون وینشأ فیهم السمن (وفی روایة الذین بعثت فیهم)" اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۴۲۶ طبع مکۃ المکرمہ)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی اس امت کا سب سے بڑی شان والا وہ قرن ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر ایسے لوگ نمودار ہوں گے جو منتیں مانیں

کر پورا نہیں کریں گے۔ خائن ہوں گے ۔ لائق اعتماد نہ ہوں گے گواہیاں طلبی کے بغیر دیں گے۔ اور خوب موٹاپا انہیں ظاہر ہو گا اھ

قسم دوم نمبر۱:۔ " خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قال واللّٰہ اعلم اذکر الثالث ام لا ثم ینشو قوم یشھدون وینذرون ولا یوفون ویخونون ولا یؤتمنون ویفشو فیھم السمن " اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر۴ صفحہ نمبر۴۲۴ طبع مذکور)

نیز: " خیر ھذہ الامۃ القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم قال واللّٰہ اعلم اذکر الثالث ام لا ثم یکون بعدھم قوم یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یتمنون وینذرون ولا یوفون و یظھر فیھم السمن ویحلفون ولا یستحلفون (وفی لفظ ولا یفون) اھ ملخصاً

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۳۰۹ طبع کراچی)

نیز " خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم واللّٰہ اعلم اذکر الثالث ام لا ثم یظھر قوم یشھدون ولا یستشھدون وینذرون ولا یوفون ویخونون ولا یؤتمنون ویفشو فیھم السمن " اھ

ملاحظہ ہو (سنن ابی داؤد جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۸۴ کتاب السنّۃ)

نیز " خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم قال ولا اعلم اذکر الثالث ام لا ثم ینشؤ اقوام یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یؤتمنون ویفشو فیھم السمن " اھ

ملاحظہ ہو (الجامع الترمذی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۵ - ابواب الفتن)

نیز " خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم ثم اللہ اعلم اذکر الثالث ام ثم ینشأ قوم یشھدون ولا یستشھدون وینذرون ولا یوفون ویحدثون ولا یؤتمنون ویفشو فیھم السمن " اھ

ملاحظہ ہو (صحیح ابن حبّان جز نمبر ۸ صفحہ نمبر ۲۵۷ حدیث نمبر ۶۶۹۴ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خلاصۂ ترجمہ

یعنی میری امت کا سب سے بہتر قرن وہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے - پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے - حضرت عمران نے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے کہ آپ نے تیسرے قرن کا ذکر فرماتے ہوئے ثم الذین یلونھم تیسری مرتبہ بھی فرمایا تھا یا نہیں؟ (فرمایا) پھر ایسے لوگ پھوٹیں گے جو طلبی کے بغیر گواہیاں دیں گے بلا ضرورت دھڑا دھڑ قسمیں اٹھائیں گے - منّتیں مان کر انہیں پورا نہیں کریں گے - کذب بیانی کریں گے - امانت میں خیانتیں کرنے کی وجہ سے قابل اعتبار نہ ہوں گے اور ان میں فربہی

ظاہر ہو گی۔ اھ (ملخصاً)

قسم سوم نمبر ۳: "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم یتسمنون یحبون السمن یعطون الشھادۃ قبل ان یسئلوھا"، اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۴۲۶ طبع مکۃ المکرمۃ و بیروت)

نیز: "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یاتی من بعدھم قوم یتسمنون و یحبون السمن یعطون الشھادۃ قبل ان یسئلوھا" اھ

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۵ نیز الجامع الصغیر للسیوطی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۸۔ نیز "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم تأتی اقوام یعطون الشھادۃ قبل ان یسئلوھا" اھ

ملاحظہ ہو (المستدرک علی الصحیحین جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۵۹۳ حدیث نمبر ۴۲-۶ طبع بیروت نیز الجامع الصغیر جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۸)

نیز "خیر اُمتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم ثم ینشأ قوم یشھدون ولا یستشھدون و ینذرون ولا یوفون و یخونون ولا یؤتمنون و یفشون فیھم السمن" اھ

ملاحظہ ہو (شرح السنۃ للبغوی جلد نمبر صفحہ نمبر حدیث نمبر ۳۷۵۱

طبع دار الکتب بیروت)

خلاصۂ ترجمہ

لوگوں میں سب سے بڑی فضیلت والا میرا قرن ہے۔ پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر ان کے بعد والے۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے جو فربہ ہونا (ہیلدی ویلدی بننا) پسند کریں گے۔ جن میں خوب موٹاپا ظاہر ہوگا۔ وہ طلبی کے بغیر گواہیاں دیں گے۔ منتیں مان کر پوری نہیں کریں گے اور خائن ہوں گے۔ اعتماد کے قابل نہ ہوں گے۔ اھ (ملخصًا)

قسم چہارم نمبر۴:۔ "ان خیرکم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم قال عمران فلا ادری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنین مرتین او ثلثة ثم یکون بعدهم قوم یشهدون ولا یستشهدون و یخونون ولا یؤمنون و ینذرون ولا یوفون و یظهر فیهم السمن" اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد نمبر۴ صفحہ نمبر ۴۲۷ طبع مکۃ المکرمۃ و بیروت)

نیز "خیرکم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم قال عمران لا ادری اذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنین او ثلثة قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بعدکم قومًا یخونون ولا یؤتمنون و یشهدون ولا یستشهدون

وینذرون ولا یفون ویظہر فیہم السمن» اھ

ملاحظہ ہو (صحیح البخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۶۲

نیز" خیرکم قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم قال عمران فما ادری قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد قولہ مرتین او ثلثا ثم یکون بعدھم قوم یشہدون ولا یستشہدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یفون ویظہر فیہم السمن ،، اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۹۵۱)

نیز" خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم قال عمران فلا ادری اذکر بعد قرنہ مرتین او ثلثا ثم ان بعدکم قوماً یشہدون ولا یستشہدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یفون ویظہر فیہم السمن" اھ

ملاحظہ ہو (صحیح بخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۵۱۵)

نیز" ان خیرکم قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم قال عمران فلا ادری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنہ مرتین او ثلثا ثم یکون بعدھم قوم یشہدون ولا یستشہدون ویخونون ولا یتمنون وینذرون ولا یوفون ویظہر فیہم السمن (وفی روایۃ" اذکر

بعد قرنہ قرنین اوثلثہ" و "ینذرون ولا یفون،، اھ

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۹)

نیز: "خیرکم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فلا ادری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنہ مرتین اوثلثاً" اھ

ملاحظہ ہو (مصنف ابن ابی شیبہ جلد نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۱۷۶/۱۷۷ حدیث نمبر ۱۲۴۶۱ طبع کراچی)

نیز "خیرکم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قال عمران لا ادری اذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد قرنہ مرتین اوثلاثاً وقال ان بعدکم قوماً یخونون ولا یؤتمنون ویشھدون ولا یستشھدون وینذرون ولا یوفون ویظھر فیھم السمن" اھ

ملاحظہ ہو (شرح السنۃ جلد نمبر صفحہ نمبر حدیث نمبر ۳۷۵۰ باب خیر القرون)

خلاصۂ ترجمہ

بلاشبہ تم میں سب سے بہتر میرا قرن ہے پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے پھر ان کے بعد والے۔ حضرت عمران نے فرمایا مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ اللہ کے نبی مکرّم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "خیرکم قرنی" یا "خیر امتی قرنی" کے بعد "ثم الذین یلونھم" کا جملہ دوبارہ ارشاد فرمایا تھا یا تین بار۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے۔ جو بغیر طلبی کے گواہیاں دیں گے۔ اور وہ خائن ہوں گے۔ امین اور لائق اعتماد نہ

ہونگے منتیں مان کر پوری نہیں کریں گے اور انمیں خوب فربہی ظاہر ہوگی اھ ملخصاً۔

قسم پنجم: خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ''اھ ملاحظہ ہو(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 12 صفحہ نمبر 176 حدیث 12460 طبع کراچی نیز مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ نمبر 113 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت لبنان وفیہ ''خیر امتی قرنی فذکر نحوا من حدیث هشام ''۔قال المحشی هکذا فی الاصل وزادفی المسندعقیب هذا ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ''وقال هو ایضاولم یذکر حدیث هشام قبل فی هذا المعنی فلعله سقط من الکاتب ''اھ ملاحظہ ہوطیالسی صفحہ نمبر 113 حاشیہ 1-2)

خلاصہء ترجمہ: میری امت کے لوگوں میں سب سے زیادہ شان والا میرا قرن ہے پھر وہ جو انکے بعد ہوں گے پھر ان کے بعد والے پھر جو انکے بعد ہونگے اھ ملخصاً۔

حدیث ھذا بہ روایت حضرۃ ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدیث ہذا کے الفاظ جو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے چنانچہ انہوں نے حضور نبی اکرم رسول مکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا''خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلو نھم و اللہ اعلم اذکر الثالث ام لا قال ثم یخلف قوم یحبون السما نۃ یشھدون قبل ان یستشھدوا (وفی روایۃ قال ابوھریرۃ فلا ادری مرتین او ثلثا) اھ۔

ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد 2 صفحہ نمبر 309 طبع کراچی) نیز مسند ابی داؤد الطیالسی صفحہ نمبر 332 حدیث 2550 الی قولہ ان یستشھدوا)

خلاصہ ء ترجمہ: یعنی میری امت کا افضل قرن وہ ہے جس میں میری بعثت ہوئی ہے پھر وہ افضل ہیں جو انکے بعد ہونگے۔ حضرت ابوھریرہ نے فرمایا مجھے یہ یاد نہیں کہ آپ نے اپنا یہ ارشاد (ثم الذین یلونھم) دوبار فرمایا تھا یا تین بار۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اسکے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو موٹا ہونے (جسمانی صحت بنانے) کو پسند کرتے ہونگے جو بغیر طلبی کے گواھیاں دیں گے اھ ملخصاً۔

حدیث ہذا بہ روایت حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ تعالی عنہ:

حضرت بریدہ الاسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث دو طرح سے منقول ہے چنانچہ اسکے بعض طرق میں چار قرن جبکہ بعض میں چار اور پانچ قرون کے اختلاف کا ذکر ہے تفصیل حسب ذیل ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے

''خیر ھذہ الامة القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ثم یکون فیھم قوم تسبق شھادتھم ایمانھم و ایمانھم شھادتھم ''اھ

یعنی اس امت کا افضل قرن وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا ہوں پھر وہ جو انکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے پھر جو انکے بعد ہونگے اسکے بعد ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی گواہی انکی قسموں سے سبقت کرے گی اور انکی قسمیں انکی گواہیوں سے پہل کریں گی۔اھ

ملاحظہ ہو (مصنف ابن ابی شیبہ جلد نمبر 12 صفحہ نمبر 178-177 حدیث 12463 طبع کراچی)

نیز''خیر ھذہ الامة القرن الذین بعثت انافیھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلونھم ثم یکون قوم تسبق شھاد تھم ایمانھم و ایمانھم شھادتھم وقال عفان مرة القرن الذین بعثت فیھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم اھ۔ ملاحظہ ہو(مسند احمد جلد 5 صفحہ 357 طبع مكة المكرّمة)۔

خلاصہ ترجمہ: یعنی اس امت کا افضل قرن وہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا ہے

پھر وہ جو انکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے پھر جو انکے بعد ہونگے ۔ انکے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ جنکی گواہی انکی قسموں سے سبقت کرے گی اور انکی قسمیں انکی گواہیوں سے سبقت کریں گی۔

راوی حدیث ہذا عفان نے اس حدیث کو ایک مرتبہ یوں بیان کیا کہ ''بعثت انا فیھم '' کی بجائے بعثت فیھم اور اسکے بعد ''ثم الذین یلونھم '' کے الفاظ کے تین بار ہونے کی بجائے انکا چار بار ہونا ذکر کیا اھ

نوٹ: مصنف ابن ابی شیبہ میں ''ابو بردہ الاسلمی'' اور مسند احمد میں ''بریدہ الاسلمی'' واقع ہے جبکہ دونوں میں درج اس روایت کی سند عفان تک ایک ہی ہے جن سے ابن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل نے یہ روایت لی ہے پھر امام موصوف سے انکے صاحبزادہ عبداللہ نے اسے لیا ہے فلیتأمل

حدیث ھذا بہ روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث اس طرح سے مروی ہے کہ اسکے بعض طرق میں تین اور بعض میں چار قرون کا ذکر ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ حضور رسالت مآب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

قسم اوّل 1: ''خیر الناس قرنی الذی انافیه ثم الذین یلو نهم ثم الذین یلو نهم ثم یاتی قوم تسبق شها دتهم ایمانهم و ایمانهم شهادتهم اھ۔

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد 4 صفحہ 276 طبع مکۃ المکرّمہ)

نیز ''خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نهم ثم الذین یلو نهم ثم یاتی قوم اھ۔

ملاحظہ ہو (صحیح ابن حبان جزء نمبر 8 صفحہ 256 حدیث 6692 طبع دار المعرفہ بیروت)۔

خلاصہ ترجمہ: یعنی لوگوں میں سب سے بہتر قرن وہ ہے جسمیں میں ہوں پھر وہ جو انکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے۔ انکے بعد ایسے افراد آئیں گے کہ جنکی گواہی انکی قسموں سے سبقت کرے گی اور انکی قسمیں انکی گواہی سے سبقت کریں گی اھ۔

قسم ثانی 2: ''خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نهم ثم الذین یلو نهم ثم الذین یلو نهم ثم یاتی قوم تسبق ایمانهم شهادتهم و شهادتهم ایمانهم'' اھ

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد 4 صفحہ 267 طبع مذکور)۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ جلد 12 صفحہ 177 حدیث 12463 وفیہ تقدیم ''شهادتهم علی ایمانهم'' ای ''تسبق شهاد تهم ایمانهم و ایمانهم شهادتهم'')

نیز مسند احمد جلد 4 صفحہ 277-278 وفیہ ''ثم قوم'' بدل ''ثم یاتی قوم

''و الباقی مثل ابن شیبة ای مع تقدیم ''شهادتهم'' علیٰ ''ایمانهم'' کمامرانفاً)

نیز''خیر هذه الامة القرن الذی بعثت فیهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلون الذین یلونهم قال حسن ثم ینشأ اقوام تسبق ایمانهم شهادتهم وشهادتهم ایمانهم اھ۔

ملاحظہ ہو(مسند احمد جلد 4 صفحہ 267 طبع مذکور)۔

خلاصہ ترجمہ: اس امت کے تمام لوگوں میں شان کے اعتبار سے بڑھ کر وہ قرن ہے جس میں مجھے مبعوث فرمایا گیا ہے پھر وہ جوانکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے پھر جوان بعد والوں کے بعد ہونگے ۔پھر ایسے کچھ لوگ پھوٹ پڑیں گے کہ جنکی قسمیں انکی شہادت پر سابق ہونگی اور انکی شہادت انکی قسموں پر سبقت کرے گی اھ

حدیث هذا به روایت جعده بن هبیره رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت جعدہ بن هبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے۔ ”خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الاخرون اردی“ اھ۔

ملاحظہ ہو (المستدرک جلد 4 صفحہ 193 حدیث 4923 طبع بیروت)

نیز ملاحظہ ہو الجامع الصغیر للسیوطی جلد 2 صفحہ 8 بحوالہ طبرانی کبیر و مستدرک حاکم وفیہ اراذل بدل اردیٰ

نیز مصنف ابن ابی شیبہ (جلد 12 صفحہ نمبر 176 حدیث 12458 طبع کراچی) میں ہے حضرت جعدہ بن هبیرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الآخر اردیٰ اھ

نیز ابن ابی شیبہ جلد 12 صفحہ 176 کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ حدیث نمبر 1476 میں نیز عبد بن حمید، طبرانی اور ابو یعلی وغیرھم نے روایت کیا ہے۔ نیز یہ کہ قال فی الفتح رواته ثقات الا ان جعدة مختلف فی صحبته وجزم البوصیری بانه لیس من الصحابة فقال معلقا علیه مرسل وقال ابو حاتم تابعی اھ ملخصاً۔

خلاصہ ترجمہ : تمام لوگوں میں بڑی شان والا میرا قرن ہے پھر وہ جو انکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے۔ انکے بعد بہت رذیل اور ردی قسم کے لوگ آئیں گے اھ

حدیث هذا به روایت عمروبن شرحبیل تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت عمرو بن شرحبیل تابعی رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجئی اقوام یعطون الشهادة قبل ان یسئلوها ‘‘ یعنی لوگوں میں سب سے بڑی شان والا میرا قرن ہے پھر وہ جو انکے بعد ہونگے پھر انکے بعد والے۔ انکے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو طلبی کے بغیر گواہیاں دیں گے اھ

ملاحظہ ہو(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 12 صفحہ 178 حدیث 12463 طبع کراچی)۔

کیفیت حدیث ھذا: حدیث ہذا (بناء علی تحدید البعض) من حیث المجموع متواتر یا کم از کم مشہور و مستفیض ہے جسکا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ طبقہ اولی (صحابہ کرام) میں انکی تعداد ہمارے حسب مطالعہ کم وبیش آٹھ ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں (1) ام المؤمنین حضرت صدیقہ بنت صدیق (2) امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم (3) علم مجسم حضرت عبداللہ بن مسعود (4) سراپا زھد وتقوی حضرت عمران بن حصین (5) احفظ الصحابہ حضرت ابوھریرہ (6) جلیل القدر صحابی حضرت بریدہ الاسلمی (7) صحابی کبیر الشان حضرت نعمان بن بشیر اور (8) صاحب الرتبۃ الکبیرۃ حضرت جعدہ بن ھبیرہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ۔ (ان میں مؤخر الذکر حسب بیان بعض محققین ''مختلف فی صحبتہ'' ہیں فافہم) بعد کے طبقات میں بھی یہ کثرت آخر تک موجود ہے جنکی مکمل تفصیل سپرد قلم کرنا طوالت نیز عوام کیلئے باعث تشویش بھی ہے جبکہ سردست اسکی کچھ حاجت بھی نہیں ہے اس لئے ہم اسے ترک کئے دیتے اور دوسرے وقت پر محول کرتے ہیں۔ حدیث کے تمام طرق مع حوالہ جات ہم نے جمع کر دیئے ہیں دلچسپی رکھنے والے ذی علم اہل فہم حضرات تھوڑی سی محنت سے خود ہی اسے سر فرمالیں گے۔ سردست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اسکے بعض طرق پر اگر چہ کلام ہے لیکن اکثر بے غبار ہیں پس حدیث ہذا فی الجملہ صحیح ثابت ہے اب ذیل میں اس سلسلہ میں علماء فن اور ائمہ شان کے اقوال وآراء ملاحظہ ہوں۔

آراء محدثین: چنانچہ امام ترمذی نے روایت فاروق اعظم بطریق ابن عمر کے بارے میں لکھا ہے۔ ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب من ھذا الوجه وقدرواہ ابن المبارک عن محمد بن سوقة وقدروی ھذا الحدیث من غیر وجه عن

عمر عن النبی ﷺ ''یعنی یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے ''حسن صحیح غریب ہے۔ابن المبارک نے اسے محمد بن سوقہ سے روایت کیا ہے۔اور یہ حدیث دوسری اسناد سے بھی حضرت عمر کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے اھ۔

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی جلد 2 صفحہ 139 طبع کراچی) نیز المستدرک جلد 1 صفحہ 314 (حاشیہ)وقال حسن صحیح غریب)

نیز روایت فاروق اعظم بطرق مذکور کے بارے میں حاکم نے لکھا ہے۔''ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین فانی لااعلم خلافاً بین اصحاب عبد الله بن المبارک فی اقامة هذا الاسنادعنه ولم یخرجاه ''یعنی اس حدیث کواگرچہ شیخین نے صحیحین میں نہیں رکھامگر وہ انکی شرائط پر پوری اترنے والی اور صحیح ہے۔عبداللہ بن المبارک کے تلامذہ میں اسکی سند کے مستقیم ہونے میں کسی قسم کا کچھ اختلاف نہیں ہے اھ۔

ملاحظہ ہو(المستدرک جلد 1 صفحہ نمبر 315 تحت حدیث 395 طبع بیروت)

نیز انہوں نے روایت مذکورہ بطریق سعد بن ابی وقاص کے متعلق لکھا ہے۔ وقدرویناه باسناد صحیح عن سعدبن ابی وقاص عن عمر رضی الله عنهما'' یعنی ہم نے اسے بطریق سعد بن ابی وقاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کیا ہے اھ۔

ملاحظہ ہو(المستدرک جلد 1 صفحہ 315 طبع بیروت)

نیز روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام ترمذی ارقام فرماتے ہیں''ھذا حدیث حسن صحیح'' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو(جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 226 طبع کراچی)

نیز روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی بابت فرماتے ہیں ''ھذا حدیث حسن صحیح '' (ترمذی جلد 2 صفحہ 45) امام حاکم نے اسکے متعلق لکھا ہے۔ ''ھذا حدیث عال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخو جاہ ''یعنی اس حدیث کوامام بخاری وامام مسلم نے اگر چہ صحیحین میں نہیں رکھا تاہم وہ انکے حسب شرائط صحیح اور سند عالی کی حامل ہے۔

ملاحظہ ہو(المستدرک جلد 4 صفحہ 593)

نیز اسی میں اسی صفحہ پر حاشیہ میں ہے۔ ''وھو حدیث صحیح '' یہ حدیث صحیح ہے۔

امام محی السنہ بغوی شافعی اسکے بارے میں رقم طراز ہیں۔ ''ھذا حدیث صحیح '' یہ حدیث صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو(شرح السنہ ج صفحہ تحت حدیث 3751 طبع بیروت)

روایت جعدہ کے بارے میں علامہ سیوطی نے ''ح'' کا رمز دیا ہے یعنی یہ حسن ہے۔

ملاحظہ ہو(الجامع الصغیر جلد 2 صفحہ 8)

نیز اسکے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ (جلد 12 صفحہ 176) کے حاشیہ میں ہے۔ ''قال فی الفتح رواتہ ثقات ...... فالمتن صحیح نقل الینا بالتواتر عن جماعۃ من الصحابۃ ''یعنی اسکے راوی ثقہ ہیں اسکا متن صحیح ہے جو صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ہم تک بالتواتر نقل ہوکر پہونچا ہے۔

نیز حوالہ مشکوٰۃ کے بارے میں علامہ علی القاری الحنفی نے ارقام فرمایا۔ ''واسنادہ صحیح ورجالہ رجال الصحیح الا ابراھیم بن الحسن الخثعمی فانہ لم یخر

ج لہ الشیخان وھو ثقة ثبت ذکرہ الجزری فالحدیث بکمالہ اماصحیح اوحسن ''یعنی اسکی سند صحیح اوراسکے رواۃ' رواۃ الصحیح ہیں سوائے ابراھیم بن حسن خثعمی کے کیونکہ شیخین نے اس سے صحیحین میں روایت نہیں رکھی مگر ہیں وہ ثقہ اورثبت۔اسے امام جزری نے ذکرکیا ہے پس پوری کی پوری حدیث صحیح اورکم ازکم حسن ضرور ہے اھ۔

ملاحظہ ہو(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد **11** صفحہ **278** طبع ملتان)

حاکم نےنفس حدیث کے بارے میں لکھاہے۔والحدیث المفسر الصحیح فی ھذا الباب قولہ ﷺ خیر النا س قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم قداتفقا علی اخراجہ ''یعنی مسئلہ باب میں متفق علیہ مفسرصحیح حدیث آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔خیر النا س قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اھ۔

ملاحظہ ہو(المستدرک جلد **5** صفحہ **114** طبع بیروت)۔

حدیث هذا گگھڑوی دعوی کی دلیل نہیں: حدیث ہذا کسی طرح سے بھی گگھڑوی صاحب کے اس دعوی کی قطعاً دلیل نہیں کہ سنت وہی ہے جو اہل خیر القرون نے کیا ہو اور بدعت وہی ہے جو انہوں نے نہ کیا ہو بلکہ کئی طرح سے انکے خلاف بھی ہے جسکی بعض وجوہ حسب ذیل ہیں۔

وجہ اول (**کوئی لفظ 'مفید مدعانہیں**): اسمیں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جس میں یہ صراحت ہو کہ اہل خیر القرون جو کچھ کریں وہ سنت ہوگا اور جو نہیں کریں گے وہ بدعت سیئہ ہوگا جیسا کہ اسکے جملہ کلمات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے جو گزشتہ سطور میں باحوالہ جات من وعن نقل کئے جاچکے ہیں جن کے اعادہ کی حاجت نہیں، انہیں ادھر ہی دیکھ لیا جائے پس حدیث ہذا کو گگھڑوی صاحب کا اپنے دعوی کی دلیل سمجھ لینا انکی سخت غلط فہمی یا پھر مصادرہ سینہ زوری اور دھوکہ دہی ہے۔

وجہ دوم (**علم غیب عطائی کی دلیل ہے**):

علاوہ ازیں حدیث ہذا حضور سید عالم ﷺ کے لیے خداداد (عطائی) علم غیب کی بھی دلیل ہے جسکے گگھڑوی صاحب دل سے قائل نہیں ہیں جیسا کہ انکی ایک اور کتاب (جو) ''ازالة الریب عن عقیدة علم الغیب '' (کے نام سے موسوم ہے اس کے باب نمبر وغیرہ کی کئی تصریحات) سے واضح ہے۔ وعیاں راچہ بیاں۔

مختصر تفصیل اسکی یہ ہے کہ یہ حدیث کئی اخبار غیوب پر مشتمل ہے جیسے خود خیر القرون کی عند اللہ فضیلت کا مسئلہ۔ نیز آپ ﷺ کا اپنی وفات کے بھی کافی عرصہ کے بعد خیر القرون کے اختتام پر پیدا ہونے والے لوگوں کے غیر صالح اعمال کی خبریں دینا کہ وہ جھوٹے، خائن اور

خود پسند ہونگے (وغیرہ وغیرہ) جسکی مکمل باحوالہ تفصیل گزر چکی ہے اور جنہیں خود گکھڑوی صاحب نے بھی اس حدیث کے بعض طرق کے نقل کرنے کے ضمن میں ذکر کیا اور اسکے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے (ملاحظہ ہوراہ سنت صفحہ نمبر تا صفحہ نمبر) جبکہ اخبار شے، علم شے، کے بغیر ممکن نہیں پس یہ حدیث عطائی علم غیب للنبی ﷺ کی دلیل ہونے کے باعث گکھڑوی صاحب کے خلاف قرار پائی۔ اب اگر وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں تو علم نبی ﷺ کے خلاف انکے عقیدہ کی نفی اور انکی اپنی پونجی ازالۃ الریب کا خود انکے اپنے ہاتھوں صفایا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اسے درست نہیں مانتے تو انکے زیر بحث استدلال کا قلع قمع ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر حدیث ہذا سے اپنے استدلال کو درست ماننا عقیدہ علم غیب للنبی ﷺ کے درست ہونے کو مستلزم جبکہ عطائی علم غیب کو غلط اور کفر وشرک کہنا حدیث ہذا سے استدلال کے غلط ہونے کو مستلزم اور انمیں سے ایک کو ماننا اور دوسرے سے انکار کرنا ''میٹھا ہپ کڑوا تھو'' کا آئینہ دار ہے جو گکھڑوی صاحب کے لیے ''دوگونہ عذاب'' سے کم نہیں ہے والعیاذ باللہ العظیم۔ ''دوگونہ عذاب'' است برجان مجنوں الخ

وجہ سوم (دلائل شرعیہ کی تعداد بڑھ جائے گی):

حدیث ہذا سے گکھڑوی صاحب کے اس استدلال کو درست ماننے سے دلائل شرعیہ کی تعداد خود انکی بیان کردہ تعداد سے بڑھ جائے گی پس ان کا یہ استدلال خود انکے اپنے بیان کی رو سے غلط قرار پایا۔ چنانچہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ انکے نزدیک دلائل شرعیہ زیادہ سے زیادہ چار ہیں جن میں خیر القرون نہیں اور وہ یہ ہیں۔ قرآن حدیث، اجماع اور قیاس ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 64-11 وقد مر مرارا)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

وجہ چھارم (تکمیل دین تکمیل جزئیات کے مفهوم میں هوجائے گی): علاوہ ازیں اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ تکمیل دین کا مطلب تکمیل جزئیات دین ہو جو بالکل واضح ہے جبکہ وہ گکھڑوی صاحب کے نزدیک درست نہیں کیونکہ وہ خود تصریح کر چکے ہیں کہ ''تکمیل دین کا یہ مطلب ہے کہ قواعد وضوابط اور کلیات دین پورے طور پر مکمل ہو چکے'' اھ ما اردنا۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 64)۔

وجہ چھارم (خیر القرون کو شارع ماننا لازم آئے گا):

نیز اس سے خیر القرون کو شارع ماننا بھی لازم آئے گا جبکہ گکھڑوی صاحب خود رسول اللہ ﷺ کو شارع ماننے کیلئے بھی تیار نہیں حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 13 و 23 وغیرھما)۔

وجہ پنجم (دین کا ناقص ہونا بھی لازم آئے گا):

نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ دین، خیر القرون کے اختتام پر مکمل ہوا اس سے پہلے وہ ناقص تھا جو آیت کریمہ ''الیوم الکملت لکم دینکم'' (وغیرھا) کے سراسر خلاف ہے جبکہ اسی آیت کو پیش کر کے گکھڑوی صاحب دین کا سرکار ﷺ کی موجودگی میں مکمل ہو جانا بھی لکھ چکے ہیں۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 14)

وجہ ششم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کو بھی مستلزم ہے): علاوہ ازیں اس سے یہ بھی ماننا لازم آتا ہے کہ خیر القرون واعمال کی وقعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال سے زیادہ تھی کہ آپکے اقوال واعمال مبارکہ سے دین مکمل نہ ہوسکا، بعد والے ان حضرات کے اقوال واعمال سے اسکی تکمیل ہوئی اور انکے اقوال واعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال سے بڑھ کر ہوئے جو آپ علیہ السلام کی شان میں سوء ادبی ہے

وجہ ھفتم (عموم واطلاق نصوص کے بھی خلاف ھے)

علاوہ بریں گکھڑوی صاحب کا یہ استدلال درست تسلیم کرلیا جائے تو قرآن وسنت کے مطلق وعام نصوص بے کار محض ہوکر رہ جائیں گے جو درست نہیں کیونکہ حسب تصریح ائمہ دین عموم واطلاق نصوص سے استدلال ہر دور میں معمول بہ علماء رہا ہے چنانچہ اصول فقہ کی معرکۃ الآراء کتاب مسلم الثبوت (صفحہ طبع) میں ہے: ''شاع وذاع احتجا جھم سلفاو خلفا بالعمومات من غیر نکیر ''یعنی قرآن وسنت کے نصوص کے عمومات کو حجت شرعیہ مانتے ہوئے ان سے استدلال کرنا قدیماً حدیثاً ہر دور کے علماء میں بلانکیر رائج ہے

نیز اسی میں ( ) ہے۔''العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق ''یعنی مطلق کے اطلاق پر عمل مطوب ہے۔ ورنہ گکھڑوی صاحب بتائیں کہ اصول فقہ کے اس باب کا مصرف کیا ہوگا اور اگر ان کا یہ نظریہ درست ہے تو خیر القرون کے بعد عمومات سے احتجاج واستدلال کا کیا مطلب ہے؟ (اسکی مکمل بحث باب چہارم میں آرہی ہے)

وجہ ھشتم (قاعدہ محققہ الاصل الاباحۃ کے بھی خلاف ھے): نیز ان کا یہ استدلال قاعدہ محققہ'' الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ''(جسے

علماء وفقہاء اسلام کے ایک جم غیفر نے استنادا وتقریرا تحریر کیا ہے) یعنی جس امر کے متعلق شرع میں نفیاً اثباتاً کچھ وارد نہ ہو تو اسمیں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہوگا (جسکی مکمل تفصیل مع مالہ وماعلیہ باب نمبر 3 میں آرہی ہے) ورنہ صاف کہہ دیا جاتا کہ چونکہ وہ شرع میں وارد نہیں خصوصاً خیر القرون سے صریحا ثابت نہیں اسلیئے وہ بدعت سیئہ ہے۔ اس صورت میں اسے مباح کہنے کے کیا معنی ؟)

وجہ نہم (قواعد سے استدلال کے بھی خلاف ہے):

نیز ان کا یہ استدلال ائمہ دین کے اس فیصلہ اور معمول کے بھی خلاف ہے کہ کسی امر کے حسن وقبح کو جاننے کے لیے کلیات وقواعد شرعیہ کو ملحوظ رکھا جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں اسکی وضاحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں'' والبدعة ان کانت مماتندرج تحت مستحسن فهي حسنة وان کانت تندرج تحت مستقبح فهي مستقبحة والا فمن قسم المباح '' یعنی کسی امر کی نئی صورت اگر کسی مستحسن شرعی کی مد میں آتی ہوگی تو مستحسن ہوگی اور اگر کسی مستقبح شرعی کے تحت آئے گی تو قبیح ہوگی ورنہ از قسم مباح ہوگی اھ (مزید تفصیل باب 3-2 میں عنقریب آرہی ہے انشاء اللہ)۔

وجہ دہم (حجیت اجماع وقیاس کے بھی خلاف ہے):

اگر گکھڑوی صاحب کے اس استدلال کو درست مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خیر القرون کے بعد کی امت کا اجماع حجت نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی کہ انکے بعد قیاس واجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا جس سے بہت سے ائمہ مجہدین کے اجتہادات باطل قرار پائیں گی کیونکہ خیر القرون کی حد گکھڑوی صاحب کے نزدیک 220ھ ہے ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 45) جبکہ خیر

القرون کے بعد کے ائمہ کے اجماع اور اجتہاد و قیاس کا استثناء بھی مبحث فیہ حدیث (حدیث خیر القرون) میں موجود نہیں اسکے علاوہ بھی کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس امر میں صریح ہو کہ خیر القرون کے بعد کے لوگوں کا اجماع و اجتہاد بھی حجت ہو گا جبکہ اس سلسلہ میں گکھڑوی اصول بھی یہی ہے لہذا دلیل دیتے وقت اپنے قائم کردہ اس معیار کو مت بھولیں۔

وجہ یاز دھم (مسکوت عنھا مسائل بھی اسکی زدمیں آئیں گے):

مسکوت عنھا مسائل بھی اسکی زد میں آ کر ناجائز اور بدعت سیئہ قرار پائیں گے جو طریق سلف صالح سے قطعاہٹ کر ہے جیسے غیر اشیاء ستہ مشہورہ کا حکم (وغیرہ)۔

وجہ دواز دھم (مسائل جدیدہ بھی ناقابل حل قرار پائیں گے):

اگر اس استدلال کو درست تسلیم کرلیا جائے تو وہ سینکڑوں جدید مسائل کہ بہ ھیئت کذائیہ جن کا وجود قرون ثلثہ تو کجا انکے بعد کے بیشتر ادوار میں بھی نہیں تھا وہ بھی نا قابل حل قرار پائیں گے جیسے نوٹ کی زکوۃ، چلتی ریل وغیرہ پر نماز، انجکشن سے روزے کے ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ، انتقال خون کا مسئلہ اور ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان رویت ھلال وغیرھا نیز مشینی ذبح اور اس جیسے صدہا مسائل۔

وجہ سیز دھم (پیشوا یان گکھڑوی بھی اسکی زدمیں):

گکھڑوی کے ہم عقیدہ وہابیہ غیر مقلدین بھی اسکی زد میں آ کر بدعتی اور منکر حدیث قرار پائیں گے کیونکہ ان کا نعرہ ہے "اہلحدیث کے دو ہی اصول۔ اطیعوا اللہ واطیعو

الرسول''، جو محتاج دلیل نہیں جس سے دیگر خیر القرون کے علاوہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کے حجت ہونے کی بھی نفی ہوتی ہے جو خود گکھڑوی صاحب کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ انہوں نے مسئلہ ہذا کے بیان کے ضمن میں ''ایک غلطی اور اس کا ازالہ'' کے زیر عنوان ''مشہور غیر مقلد عالم امیر یمانی'' کا رد کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 32)۔

وجہ چہاردہم (مشائخ گکھڑوی بھی اسکی زدمیں):

بلکہ خود گکھڑوی صاحب کے کئی آقایان نعمت و مشائخ دیو بند بھی اسکی زد میں آ کر گکھڑوی اصول کی رو سے بدعتی اور منکر حدیث ٹھہرتے ہیں جنہوں نے بہت سے امور کو قرون ثلثہ بلکہ خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہ حیئت کذائیہ ثابت نہ ہونے کے باوجود انہیں جائز و مستحسن بلکہ مسنون تک لکھا ہے۔ جس کے بقدر ضرورت بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

مدرسہ دیوبند کے مفتی اول کے حوالہ جات:

چنانچہ مدرسہ دیو بند کے مفتی اول عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نے فتاویٰ دیو بند میں درود ابراہیمی میں لفظ ''سیدنا'' کے اضافہ کو باوجودیکہ وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں، جائز لکھا ہے۔ نیز موصوف نے دعا بعد الاذان میں ہاتھ کھڑے کرنے کے متعلق یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ ''خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں'' اسے مستحب مانا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ایک مقام پر فتاوی دیو بند کے مرتب و محشی مفتی ظفیر الدین دیوبندی نے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ نماز کی نیت زبان سے کرنا نہ تو مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے بلکہ تابعین عظام سے بھی ثابت نہیں، اسکے باوجود مفتی عزیز الرحمن صاحب موصوف لکھتے ہیں ''تلفظ بہ نیت نماز بدعت نیست''

یعنی زبان سے نماز کی نیت کرنا بدعت نہیں۔ان سب کیلئے ملاحظہ ہو(فتاوی دار العلوم دیو بند جلد 2 صفحہ 95۔110۔147۔169۔مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔

حوالہ جات گنگوہی صاحب: گکھڑوی صاحب کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی درود ابراھیمی میں ''سیدنا'' کے اضافہ کو جائز اور درست بلکہ مستحسن قرار دیا مفتی عزیز الرحمٰن نے اسکی اجازت دینے کے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کردی تھی کہ نماز میں بلا لفظ سیدنا ویسا ہی بہتر ہے ملاحظہ ہو(فتاوی دیو بند جلد 2 صفحہ 169) مگر گنگوہی صاحب نے نماز میں بھی اس اضافہ کو بہتر بتایا۔ چنانچہ گکھڑوی صاحب کے پیشرو مولوی عاشق الٰہی میرٹھی جو المھند کے مصدقین میں سے بھی ہیں۔نے لکھا ہے۔''ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت نماز میں درود شریف کے اندر لفظ سیدنا ملانا چاہیے یانہیں؟ حضرت نے فرمایاہاں۔مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کسی روایت میں لفظ سیدنا پایانہیں گیا۔ حضرت امام ربانی نے فرمایا اگر چہ جناب رسول اللہ ﷺ نے لفظ سیدنا نہ فرمایا ہومگر ہمیں یہی لائق ہے کہ ملائیں اھ۔

ملاحظہ ہو(تذکرۃ الرشید جلد 2 صفحہ نمبر 291 طبع انارکلی لاہور)۔

علاوہ ازیں گنگوہی صاحب موصوف سے کسی نے پوچھا۔''کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یانہیں اور بدعت ہے یانہیں؟''اسکے جواب میں گنگوہی صاحب نے لکھا کہ بہ حصئیت کذائیہ ثابت نہیں مگر اسکے باوجود وہ بدعت بھی نہیں بلکہ درست ہے چنانچہ انکے لفظ ہیں''قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں''اھ

بلفظہ۔

ملاحظہ ہو(فتاوی رشیدیہ صفحہ 147 طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب دستگیر کالونی کراچی وفاروقی کتب خانہ ملتان)۔

تھانوی صاحب کا حوالہ: علاوہ ازیں گنگھڑوی صاحب کے حکیم الامہ مولوی اشرفعلی تھانوی نے دعا بعد نماز عیدین کو خیر القرون سے ثابت نہ ہونے کے باوجود مسنون قرار دیا ہے چنانچہ انکے اپنے لفظ ہیں ''بعد نماز عیدین کے(یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو، نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ اورتابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لئے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو(بہشتی زیور حصہ نمبر 11 صفحہ 937 مسئلہ 4 مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)۔

مفتی اول دیوبند کا ایک اور حوالہ: مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی صاحب نے بھی بعد نماز عیدین دعا کو جائز بلکہ مستحب ومسنون لکھا ہے اور پر لطف بات یہ کہ اسکی دلیل کیلئے انہوں نے عموم واطلاق نصوص کے علاوہ اپنے دیوبندی اکابر کے عمل کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ مختلف سائلین نے ان سے استفسار کیا کہ بعد نماز عیدین یا بعد از خطبہ عیدین دعا مانگنا رسول اللہ ﷺ اور آپکے صحابہ وتابعین عظام سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز یہ کچھ اسے مکروہ کچھ بدعت اور کچھ بدعت کہتے ہیں، اسکی اصل شرعی حیثیت کیا ہے؟(ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو(''فتاوی دارلعلوم دیوبند'' جلد 5 صفحہ 188۔ 190۔ 202۔ 218۔ 225۔ 231۔ 232 طبع مکتبہ امدادیہ ملتان مطبوعہ ربیع الاول 1385ھ سوال نمبر 2605-2607-2634-2673-2689-2703)

اسکا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا۔ ''عام طور سے نماز کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعا مانگنا مسنون و مستحب ہے'' اھ بلفظہ (صفحہ 188)

نیز لکھا ہے۔ ''ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا (دارالعلوم دیوبند) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے لہٰذا ارجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعا بعد نماز عیدین بھی مستحب ہے اور مولانا عبدالحئ صاحب کا فتوی بندہ نے بھی دیکھا تھا محض اس وجہ سے کہ عیدین کی نماز کے بعد دعا کا ذکر نہیں ہے دعا کا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعا ہونا ثابت ہے پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جاوے گا کیونکہ جب کلیۃ استحباب دعاء کا بعد صلوات ثابت ہو گیا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد تصریح وارد ہو کما ھو ظاھر۔ اور بہشتی گوہر میں بھی غالباً مولانا عبدالحئ صاحب کے اتباع سے ایسا لکھا گیا ہے، بندہ کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہے فقط'' اھ بلفظہ (صفحہ 191-190)

نیز لکھا ہے'' دعا بعد الصلوات مسنون و مستحب است ودر احادیث وارد شدہ است کما نقلھا فی الحصن الحصین وغیرہ۔ پس در صلوات صلوۃ عیدین ہم داخل و شامل است بدعت گفتن آنرا صحیح نیست واکابر امت مثل حضرت مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہی را و جمیع اکابر و اساتذہ مابعد نماز عیدین مثل صلوات مکتوبات دعائے فرمودند پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست فقط

''اھ بلفظہ (صفحہ 202)

نیز لکھا ہے۔اس حدیث سے بعد خطبہ وغیرہ کے دعا مانگنا ثابت نہیں ہے کہ کیونکہ مراد دعوۃ المسلمین سے اجتماع المسلمین ہے اور خطبہ وغیرہ ہے البتہ بعد نماز عیدین دعا مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے جن میں بعد الصلوۃ دعا مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے اور نماز عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث حصن حصین وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں البتہ خطبہ کے بعد دعا مانگنا وارد نہیں ہوا نہ خصوصاً نہ عموماً'' اھ بلفظہ (صفحہ 218-219)۔

نیز لکھا ہے۔عیدین کی نماز کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا استحباب ان ہی حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے اور دعا بعد الصلوۃ مقبول ہوتی ہے حصن حصین وغیرہ میں وہ احادیث مذکور ہیں اور ہمارے حضرات اکابر کا یہ ہی معمول رہا ہے۔بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے پھر عیدین کی نمازوں کی استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اھ ماارد نا بلفظہ (صفحہ 225)

نیز لکھا ہے۔عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا تو مثل تمام نمازوں کے مسنون ومستحب ہے مگر خطبہ کے بعد دعا مانگنا ثابت اور جائز نہیں ہے اھ بلفظہ (231)

وجہ پانزدھم (بے شمار دیوبندی معمولات بھی اس سے متصادم): گکھڑوی صاحب کا یہ استدلال خود انکے اور انکی جماعت کے بے شمار معمولات سے بھی متصادم ہے۔ بالفاظ دیگر صدہا امور ایسے ہیں جو قرون ثلثہ بلکہ انمیں سے بعض ایسے ہیں جو بعد کے کئی ادوار سے بھی ثابت نہیں اسکے باوجود گکھڑوی صاحب اور انکی جماعت میں وہ دین اور کارہائے ثواب کے طور پر مروج ہیں پس یا تو وہ اپنے اس استدلال سے توبہ کریں یا پھر ان معمولات سے تائب ہوں مثلاً بہ ھئیت کذائیہ دین کے نام پر تعمیر کردہ انکے مدارس نیز انکا نظام جیسے تنخواہ پر مدرسین وعملہ رکھنا ان میں آٹھ سالہ نصاب پڑھانا پڑھنے والے کو مقررہ مدت کے بعد سند فراغ اور دستار فضیلت دینا۔ نیز دورہ حدیث اور ختم بخاری کرنا اور اس کیلئے اشتہارات چھپوانا۔ مقررہ تواریخ میں ہر سال دورہ تفسیر کے عنوان سے کورس پڑھانا پڑھنے والوں کا باقاعدگی کے ساتھ التزاما امتحان لینا پھر ان میں سے کسی کو پاس اور کسی کو فیل کرنا۔ پاس ہونے والوں کو اپنے علماء کی لکھی ہوئی کتب انعام میں دینا نیز اذان، امامت اور خطابت کی تنخواہیں دینا لینا۔ سالانہ سیرۃ کانفرنسیں اور مقررہ تواریخ میں ہر سال رائیونڈ کے اجتماعات منعقد کرنا۔ تبلیغ کے عنوان سے 3 دن 7 دن ایک ماہ اور 40 ایام بلکہ گھر والوں کو لاوارث چھوڑ کر سال سال کے چلے کرنا۔ دارالافتاء قائم کر کے فتوے تحریر کرنا اور فی فتوی خاص نذر بھی وصول کرنا نیز ٹوٹیوں سے وضو اور جدید اسلحہ سے جہاد اور فرش کی بجائے چھت پر حج وعمرہ وغیرہما کے موقع پر کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنا۔ نماز عیدین کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اور نماز جمعہ سے قبل یا بعد (خطبہ جمعہ کے علاوہ) کے خطابات کا التزام کرنا (وغیرہا) جنہیں بالاستقصاء گنتی میں لانا ممکن ہے نہ معقود بلکہ مالا یدرک کلہ، لا تیرک

کلہ'' کے تحت محض بعض امثلہ پر اکتفاء ملحوظ ہے۔

وجہ شانزدھم (گنگوھی انبیٹھوی بلکہ خود گکھڑوی تصریحات سے بھی متصادم): حدیث ہذا سے گکھڑوی کا یہ استدلال

انکے مقتدا مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل سہارنپوری انبیٹھوی صاحب (کہ ''راہ سنت'' جنکی کتاب براھین قاطعہ کا چربہ ہے انکی) بلکہ خود گکھڑوی صاحب کی اپنی تصریحات کے بھی سراسر خلاف اور متصادم ہے۔ چنانچہ انبیٹھوی صاحب نے نہایت درجہ صاف اور غیر مبہم انداز میں لکھا ہے کہ خیر القرون سے بھی کسی مسئلہ کا نام لیکر جزوی ثبوت اور فردا فردا تصریحات کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بالکیات ثبوت ہی لازم اور کافی ہے (ملخصاً) ملاحظہ ہو (براھین قاطعہ صفحہ طبع) نیز گکھڑوی صاحب نے غیر مقلد عالم امیر یمانی کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ''انکی غلطی ہے

اولاً : اس لیے کہ حضرات خلفاء الراشدینؓ کی سنت ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عمل کے موبموموافق ہو اور اس سے ذرا بھی مخالف نہ ہو الخ'' ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 32)

نیز موصوف نے دین کے جملہ احکام کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے پائیہ تکمیل تک پہنچایا اور اپنی وفات حسرت آیات سے اکیاسی روز قبل ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام کے مجمع میں میدان عرفات کے اندر نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے دن اور عصر کے وقت اللہ کے حکم سے **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ کا اعلان فرمایا جس سے مقصود یہ تھا کہ ''قیامت تک اب دین میں کسی ترمیم و تنسیخ اور حذف واضافہ کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ گنجائش'' اھ

ملخصا بلفظہ بتغییر یسیر۔ ملاحظہ ہو(راہ سنت صفحہ 14)۔

اقول: جب دین کے جملہ احکام وفات نبی ﷺ سے اکیاسی ایام قبل اس طرح سے مکمل کردیئے گئے کہ اسکے بعد ان میں کسی ترمیم و تنسیخ اور حذف واضافہ کی کوئی ضرورت ہے نہ گنجائش تو اسکے باوجود قرون ثلثہ کو اسمیں شامل کرنا کیا گکھڑوی صاحب کا بقلم خود دین میں اضافہ نہیں۔ پھر محض بات بنانے کی غرض سے انکے گنگوہی صاحب اور انبیٹھوی صاحب کا خیر القرون سے کلیات کے ثبوت کو لازم بتانا انکی خود ساختہ تاویل اور ایجاد بندہ نہیں؟ ورنہ بتایا جائے کہ اس ''کلیات والی تاویل'' کا صحیح معیاری ثبوت کیا ہے؟ اور یہ کلیہ خیر القرون میں کب بنا تھا اور کس نے بنایا تھا اور آیا کہ یہ کسی فرد واحد کا فیصلہ تھا یا اس پر اجماع منعقد ہوا تھا؟ ''ہمیں گوی وہمیں میدان'' دیدہ باید۔ جو بعد ثبوت بھی گکھڑوی صاحب کی بہ ھئیت کذائیہ ثبوت والی منطق کے بہر حال خلاف ہے جو گکھڑوی صاحب کے ذمہ ہمارا ایک اور واجب الاداء قرض ہے۔

وجہ ہفدہم (خود گکھڑوی نیزان کے اکابرین کی ''نوعیت ثبوت'' سے بھی متصادم):

گکھڑوی صاحب نے اپنے اس استدلال سے پورا زور اس پر صرف کیا ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ وہ خیر القرون سے صریحا، بعینہ، بہ ھیئت کذائیہ اور ہو بہو ثابت ہو اسکے بغیر کوئی ثبوت، معیاری ثبوت متصور نہیں ہوگا جو اس سلسلہ میں انکے اکابر بلکہ خود ان کی اپنی تصریحات کے بھی خلاف ہے کیونکہ گکھڑوی صاحب کے کئی اکابر بلکہ وہ خود بھی صاف لکھ چکے ہیں کہ کسی امر کے ثابت ہونے کیلئے اشارۃ ثابت ہونا بھی کافی ہے صریحا ثبوت ضروری نہیں۔ کچھ حوالے ابھی گزر چکے

ہیں جیسے ختم بخاری اور نماز بعد العیدین کے متعلق فتاوی رشید یہ اور بہشتی زیور کی عبارات نیز براھین قاطعہ اور خود گکھڑوی صاحب کی تصریحات بھی کہ تکمیل دین کا مطلب تکمیل کلیات دین ہے جزئیات دین نہیں۔

مزید سنیئے براھین قاطعہ (صفحہ 35 طبع دارالاشاعت کراچی) میں پیشوایان گکھڑوی ،گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان نے بدعت مذمومہ کی تعریف استنادانقل کرتے ہوئے لکھا ہے ''بدعت وہ محدث فی الدین ہے کہ زمان فخر عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہو یعنی نہ تو قولاً نہ فعلا نہ تقریرااور نہ صراحتا نہ اشارۃ اھ بلفظہ۔

اسی طرح گکھڑوی صاحب کے پیشرو مفتی محمد شفیع دیو بندی نے اپنے رسالہ سنت و بدعت میں بھی لکھا ہے۔

وجہ هژد هم (دهرے معیار پر مشتمل ہونے کے باعث بھی واجب الرد):

علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کا یہ استدلال اس لیے بھی واجب الرد ہے کہ وہ اور انکی جماعت اس موقع پر دہرے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں کیونکہ ہمارے معمولات کے متعلق جب وہ ہم سے بات کرتے ہیں تو ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ خیر القرون سے فلاں فلاں امر کا صاف صریح ثبوت مہیا کرو جبکہ انکے اسی اصول کے مطابق خود ان پر بھی لازم آتا ہے کہ وہ بھی ہمارے معمولات کے خلاف خیر القرون سے صاف صریح ثبوت پیش کریں مگر اپنی باری میں وہ اسے یکسر بھول جاتے ہیں پس اگر انکا یہ اصول درست ہے تو اسے انکو مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر (اثباتا ونفیا) لاگو کرنا ہوگا ورنہ اسکے ایجاد بندہ خود ساختہ اور غلط ہونے کو ماننا پڑے گا ورنہ کم ازکم یہ کہ وہ اسمیں کسی صحیح معیاری شرعی دلیل سے تسلی

بخش طریقہ سے وجہ فرق بیان کریں۔

وجہ نوزد ہم (اہل خیرالقرون نے بھی یہ مطلب نہ لیا): علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کا استدلال ہذا اسلئے بھی غلط اور خود انکے حسب اصول بدعت ہے کہ حدیث خیرالقرون کا یہ مطلب خود اہل خیرالقرون کی روش کے بھی خلاف ہے کتب حدیث وسیرت میں موجود صدہا واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خیرالقرون میں جب بھی کسی مسئلہ کی نئی صورت پیش آئی تو اتباع یا تابعین درکنار خود صحابہ کرام بلکہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی اسکے حل میں کبھی یہ نہ فرمایا کہ چونکہ ہم خیرالقرون ہیں اس لیے ہمارا نفیاً اثباتاً عمل ہی دلیل شرع ہے بلکہ اس کے لیے انہوں نے ہمیشہ شرعی اصول وقواعد کو پیش نظر رکھا اور انہی کی بنیاد پر فیصلے صادر فرمائے جیسا کہ جمع القرآن کے واقعہ سے بھی خوب ظاہر ہے جس میں حضرت فاروق اعظم کی درخواست کے بعد حضرت صدیق اکبر نیز حضرت خلیفہ اول کے ارشاد پر حضرت زید بن ثابت کا ''**کیف تفعل شیأ لم یفعله رسول الله** ﷺ'' اور ''**کیف تفعلون شئیا لم یفعله رسول الله** ﷺ'' فرمانا مذکور ہے جو گذشتہ سطور میں کچھ پہلے حدیث ''**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**'' سے گکھڑوی استدلال کے رد میں باحوالہ مفصل طور پر گزر چکا ہے جسکے اعادہ کی حاجت نہیں اسے ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے۔

نیز بہت سے مسائل میں بے شمار صحابہ وتابعین اور اتباع کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے رجوعات بھی اسکی عمدہ دلیل ہیں مثلاً وضو میں پاؤں پر مسح کرنے نیز متعہ کو جائز سمجھنے وغیرہ سے رجوع جو کسی خادم حدیث وسیرت پر مخفی نہیں نیز دلچسپی رکھنے والے اہل فہم ذی علم حضرات تتبع فرما کر اسکی طویل فہرست تیار کر سکتے ہیں۔

نیز اہل خیر القرون کے وہ صدہا واقعات بھی اس پر شاہد عدل ہیں جن میں ان حضرات کا کئی مسائل میں ایک دوسرے کی صرف تغلیط فرمانا ہی مذکور نہیں بلکہ انکا انہیں بدعت قرار دینا بھی مصرح ہے مثلاً دور سیدنا عثمان غنی میں آپکے امر سے جب جمعہ کی اذان اول جاری کی گئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے نہایت درجہ غیر مبہم الفاظ میں اسے محدث اور بدعت قرار دیا تھا جیسا کہ حدیث ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' کی بحث میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے گزشتہ سطور میں ابھی گزر چکا ہے۔

نیز جہری نمازوں میں آغاز فاتحہ میں بآواز بلند'' بسم اللہ الرحمن الرحیم '' پڑھنا بعض صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا مذہب ہے اسکے باوجود بعض صحابہ کرام کا اسے محدث اور بدعت قرار دینا بھی منقول ہے چنانچہ جامع الترمذی (جلد **1** صفحہ **33** طبع فاروقی ملتان) میں ہے حضرت عبداللہ بن مغفل (صحابی) رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادہ (جو کم از کم تابعی ہیں) سے مروی ہے انہوں نے فرمایا''سمعنی ابی وانا فی الصلوة اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ارا احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی منه وقال وقد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها اذاانت صلیت فقل الحمدللہ رب العالمین ''یعنی میں نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے آغاز میں بلند آواز سے''بسم اللہ الرحمن الرحیم ''پڑھی جسے ابا حضور نے سن لیا۔ پس آپ نے مجھ سے فرمایا میرے عزیز بیٹے! یہ تو بدعت ہے آئندہ اس بدعت سے اجتناب کیجئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کے

نزدیک مبغوض ترین چیز بدعت تھی ۔میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی نماز میں بآواز بلند تسمیہ پڑھتے نہیں سنا لہٰذا تم بھی اسے بآواز بلند مت پڑھا کرو اور قرات کو ''الحمد للہ رب العلمین'' سے شروع کیا کرو اھ۔

امام ترمذی نے فرمایا ''حدیث عبداللہ بن مغفل حدیث حسن ''یعنی حضرت عبداللہ بن مغفل کی یہ حدیث حسن ہے۔ملاحظہ ہو (ترمذی جلد 1 صفحہ 33) جبکہ اسی میں صفحہ 33-34 پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نماز میں جہر بالتسمیہ کے قائل تھے ۔(اس قسم کے متعدد حوالہ جات خود گکھڑوی صاحب کے حوالہ سے چند سطور بعد وجہ کے تحت بھی آرہے ہیں)۔

وجہ بستم (اعتراف گکھڑوی کہ یہ مطلب خیر القرون بلکہ آپ علیہ السلام نے بھی نہیں لیا):

حدیث ہذا سے گکھڑوی صاحب کے استدلال ہذا کے خودساختہ اور غلط ہونے کی ایک انتہائی ٹھوس دلیل خود گکھڑوی کے یہ واضح اعترافات بھی ہیں (جوانہوں نے اپنی کتاب راہ سنت وغیرہ میں کیئے ہیں) کہ یہ اس حدیث سے انکا کشید کردہ ایسا مطلب ہے جو اہل خیر القرون میں سے کسی نے بلکہ خود اسکے قائل کریم سید عالم ﷺ نے بھی نہیں لیا بلکہ صراحت کے ساتھ قولاً وعملاً اسے رد فرمایا ہے بقدر ضرورت چند حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔چنانچہ گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں۔

حوالہ نمبر 1: حضرت علی آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ مقام عیر سے لیکر مقام ثور تک حرم ہے۔سو جس نے اس میں

کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالی کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ نہ تو اسکی فرضی عبادت قبول کی جائے گی اور نہ نفلی (مشکوۃ جلد 1 صفحہ 238 و بخاری جلد 2 صفحہ 1084 و مسلم جلد 1 صفحہ 144) اھ بلفظہ''

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 71)۔

اقول: یہ گکھڑوی صاحب کا واضح اعتراف ہے کہ خود زمانہ رسالت علی صاحبہا السلام میں بھی بدعت کا ارتکاب کرنے والے امکانی یا وقوعی حد تک موجود تھے ورنہ انہیں پناہ دینے پر وعید کے کیا معنی؟ باقی گکھڑوی صاحب فعلیہ لعنۃ اللہ الخ کے الفاظ حدیث میں جو جملہ خبریہ کو انشائیہ بنا گئے ہیں جیسا کہ انکے منقولہ بالا ترجمہ سے ظاہر ہے وہ موصوف کی نحو میں کہنہ مشکی'' کی بین دلیل ہے۔

حوالہ نمبر 2: نیز موصوف نے معتمد کتب حدیث کے حوالہ سے اس امر کو ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کرتے ہوئے مزید لکھا ہے۔ ''حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے محشر کے بعض حالات بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا اور وہاں میری امت کے بعض لوگ لائے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا تو میں عرض کرونگا اے میرے پرودگار یہ تو میرے ساتھی اور آدمی ہیں۔ اللہ تعالی فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے جونئی حرکتیں انہوں نے آپ کے بعد اختیار کیں الخ'' اس سے تھوڑا سا آگے لکھا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے ...... اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ...... آپ کو کوئی علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کیں'' اھ بلفظہ ملخصاً

اس سے کچھ آگے ایک اور روایت کے حوالہ سے لکھا ہے: آپ کو ان کا علم نہیں ہے کہ

انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کی ہیں اور کیا آپ کو معلوم ہے جو کچھ بدعات انہوں نے آپ کے بعد اختیار کی ہیں'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (ازلۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب صفحہ 395-396-397 طبع گوجرانوالہ طبع سوم 1406ھ)۔

اقول: گکھڑوی صاحب کی یہ عبارات بھی مانحن فیہ میں واضح ہیں جو محتاج بیان نہیں کہ انکے بقول حضور کے ساتھیوں نے آپکے بعد بدعات ایجاد و اختیار کیں (والعیاذ باللہ) باقی روز محشر کی گفتگو میں آپ کے بعد ''اختیار کی تھیں'' کی بجائے ''اختیار کی ہیں'' وغیرہ کہنا گکھڑوی صاحب کی علمیت اور قابلیت کی بناء پر ہے۔ رہا گکھڑوی صاحب کا اس روایت کو حضور نبی کریم ﷺ کے خداداد علم شریف کے خلاف دلیل بنا کر پیش کرنا؟ تو یہ ان کے یتم علمی کی بناء پر ہے ورنہ یہ حدیث آپ علیہ السلام کے علم کے ثبوت کی زبردست دلیل ہے کیونکہ جب آپ علیہ السلام ان لوگوں کے بارے میں بروز قیامت ہونے والے واقعہ کی مکمل خبر اسکے وقوع سے ہزاروں سال قبل اسی دنیا میں دے رہے ہیں تو یہ قطعی طور پر آپ کے علم کے ثبوت کی دلیل ہوئی، نفی علم کی نہیں لیکن معاملہ دراصل ''آنکھ والا جب تیرے جوبن کا تماشا دیکھے۔'' والا ہے ''نعرہ رسالت۔ یارسول اللہ ﷺ۔

علاوہ ازیں خود گکھڑوی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسکے بعض طرق میں آپ علیہ السلام سے یہ کلام بطور استفہام منقول ہے جو ثبوت علم کی ایک اور دلیل اور گکھڑوی دعوی کے مردود ہونے پر شاہد عدل ہے (اسکی مکمل تفصیل مع مالہ و ماعلیہ موصوف کی اس کتاب (ازالۃ الریب) کے جواب میں آئے گی انشاء اللہ الغنی)۔

حوالہ نمبر 3: گکھڑوی صاحب مزید لکھتے ہیں ''بلاشک خیرالقرون میں بھی فتنوں نے سر اٹھایا تھا'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 44)۔

حوالہ نمبر 4: نیز لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر (المتوفی 74ھ) کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا اسلام اسکو نہ دینا'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 76)۔

حوالہ نمبر 5: نیز لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں تمہارے (اس طرح) ہاتھ اٹھانے بدعت ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سینہ مبارک سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھائے اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 94)۔

اقول: یہاں ہاتھ اٹھانے سے مراد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے ہیں جیسا کہ خود گکھڑوی صاحب نے اُسی کے اُسی صفحہ پر حاشیہ میں اسکی تصریح کردی ہے پس یہ بھی ما نحن فیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر انمیں صحابہ کرام نہ بھی ہوں تو کم از کم تابعین کے عمل کو بقول گکھڑوی صاحب بدعت قرار دے رہے ہیں۔

حوالہ نمبر 6: نیز لکھا ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عروہ بن الزبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ کے حجرہ کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے حضرت ابن عمر سے ان لوگوں کی نماز کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے (بخاری جلد

1 صفحہ 238 مسلم جلد 1 صفحہ 409) اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 131-130)۔

اقول: اسمیں بھی گکھڑوی صاحب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ باور کرا رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بے شمار صحابہ وتابعین کرام کے اس عمل کو نہایت صریح الفاظ میں بدعت قرار دیا۔

حوالہ نمبر 7: مزید لکھا ہے۔ ''حضرت مجاہد (المتوفی 102ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا ۔اذان ہوچکی تھی ایک شخص نے تثویب شروع کردی (ابن ابی شیبہ مجاہد کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد الصلوۃ الصلوۃ کے الفاظ سے تثویب کی اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی تو حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا تو پاگل ہے، تیری اذان میں جو دعوت تھی کیا لوگوں کو بلانے کے لئے وہ ناکافی تھی) حضرت ابن عمر نے مجاہد سے فرمایا مجھے یہاں سے لے چل اس لئے کہ یہ بدعت ہے (ابوداؤد جلد 1 صفحہ 79) حضرت ابن عمر اس مسجد سے چلے گئے اور نماز تک وہاں ادا نہ کی چنانچہ دوسری روایت میں ہے مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھی (ترمذی جلد 1 صفحہ 28) اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 138)۔

اقول: اسمیں بھی گکھڑوی صاحب واضح طور پر لکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر اور انکے صاحبزادہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) دونوں نے بعض صحابہ اور تابعین کرام کے عمل کو بدعت اور انہیں بدعتی قرار دیا ورنہ حضرت ابن عمر پہلے ہی اس مسجد میں تشریف نہ لیجاتے۔ نیز گکھڑوی

صاحب اس سے یہ بھی مان گئے ہیں کہ بعض کلمہ پڑھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو لائق امامت نہیں ہوتے پس ہمارے علماء کا بعض علماء دیوبند کی گستاخانہ عبارات کی بنیاد پر دیوبندیوں کے لائق امامت ہونے سے انکار فرماتے ہوئے انکے پیچھے نماز کو ناجائز قرار دینا بھی اس سے قطعا درست ہونا ثابت ہوا وللہ الحمد۔

ثم اقول۔ محققین احناف کے نزدیک تثویب للصلوۃ درست ہی نہیں بلکہ امر مستحسن اور مستحب ہے پس گنگھڑوی صاحب کا اسے بدعت قرار دینا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ان کا حنفیت کا دعوی محض ڈھونگ اور زبانی جمع خرچ کی حد تک ہے (مزید وضاحت باب نمبر 4 میں آئے گی انشاءاللہ)

حوالہ نمبر 8: مزید لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ مسجد نبوی علی صاحبہ السلام میں جمع ہو کر ذکر کرنے والے تابعین کرام (جن میں بعض صحابہ کرام کی موجودگی بھی ممکن ہے ان) کی ایک جماعت کو ''فرمایا میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں'' تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کیا کرو'' ...... ''تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو'' اھ بلفظہ ملخصا۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 123-127)۔

حوالہ نمبر 9: نیز لکھا ہے۔ ''حضرت علی نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز کے لیے تثویب کرتے دیکھا اور فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو اور حضرت ابن عمر سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 139)۔

حوالہ نمبر10: مزید لکھا ہے۔ ''حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت طاؤس تابعی کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا...... تو انہوں نے ان کو منع کیا...... تنبیہ فرمائی...... طاؤس کو سزا کا مستوجب گردانا'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 141)۔

حوالہ نمبر11: مزید لکھا ہے کہ حضرت سعید بن المسیب تابعی نے ایک شخص کو (جو تابعی یا کم از کم تبع تابعی ضرور تھا) عصر کے بعد نفل پڑھنے پر سزا کی وعید سنائی اھ ملخصاً۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 142-141)۔

اقول: ان عبارات میں گکھڑوی صاحب نے یہ لکھ کر کہ اہل خیر القرون بھی بدعات اور خلاف سنت اور ناجائز امور کا ارتکاب کرتے تھے، حدیث خیر القرون سے اپنے استدلال کا خود بقلم خود ہی قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے (وھو المقصود والحمدللہ المعبود الغفور الودود)۔

حدیث خیر القرون کا صحیح مفہوم: مذکورہ ناقابل تردید دلائل وبراھین، ٹھوس حقائق اور خود گکھڑوی صاحب کی مسلمات کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گیا اور یہ بات قطعی طور پر متعین ہوگئی کہ مبحث فیہ حدیث (حدیث خیر القرون) کی یہ منشاء ہرگز ہرگز نہیں کہ سنت وہی ہے جو خیر القرون نے کیا ہو اور جو انہوں نے نہ کیا ہو وہ بدعت مذمومہ ہے (جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے از خود کشید کر کے بہ زور ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے) بلکہ اس سے مقصود، محض اہل خیر القرون کی نیکی، پارسائی تقویٰ اور اخلاص کو درجہ بدرجہ بیان فرمانا ہے اور اس سے غرض یہ بتانا ہے کہ ان ادوار میں سے زمانہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ساتھ جس زمانہ کو جتنا زیادہ قرب ہوگا اس پر اس قرب کی برکت سے

اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر اعراب کے ارتداد، شدید جنگوں اور دیگر فتنات کی صورت میں آزمائشیں آئیں گی۔ فرمایا میرے صحابہ میری اگلی امت کیلئے امان ہیں پس جب میرے صحابہ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو میری امت میں بدعات، مذہبی حوادث وفتنات، قرن الشیطان کا ظہور رومیوں کا غلبہ، مدینہ منورہ اور مکہ المکرّمۃ کی بے حرمتی کی شکل میں آزمائش آئے گی۔

علامہ نووی فرماتے ہیں یہ تمام امور اخبار غیوب ہونے کے باعث آپ ﷺ کے معجزات سے ہیں اھ۔

پس یہ صحیح حدیث اس امر کا واضح قرنیہ ہے کہ حدیث خیر القرون کا یہ معنی لینا کہ اہل خیر القرون میں بدعات کا ظہور نہ ہوا قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ خیر القرون کے بعد بدعات کا ظہور ہوگا کیونکہ اس حدیث میں تصریح فرمادی گئی ہے کہ ظہور بدعات اسوقت ہوگا کہ جب زمانہ صحابہ کرام اختتام پر ہوگا۔

وبطریق اخر: خیر القرون کے اختتام کے بعد یہ حکم لگانے کی بجائے کہ پھر بدعات کا ظہور ہوگا یہ حکم لگایا ہے کہ پھر جھوٹ پھیلے گا لوگ امانتوں میں خیانتیں کریں گے وغیرہ جیسا کہ اسکے طرق کے بیان میں باتفصیل گزر چکا ہے جن میں سے بعض کو خود گکھڑوی صاحب نے بھی نقل کر کے ان کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ۔ ''پھر ایسی قومیں آئیں گی جن کی شہادت، قسم سے اور قسم، شہادت اور گواہی سے سبقت کریگی'' پھر ''جھوٹ عام ہو جائے گا'' اور خیر القرون کے بعد آنے والے لوگ خیانت کریں گے اور امانت میں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا اور ان میں موٹاپا خوب ظاہر ہوگا'' اور وہ لوگ نذریں مانیں گے اور ان کو پورا نہیں کریں گے

اھ بلفظہ ملخصاً۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 42-43)۔

(5)۔ علاوہ ازیں اسکی شرح میں ائمہ شان نے بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ اسکا منشاء محض اہل خیر القرون کی زمانہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے قرب کی برکت سے باقی لوگوں کی بہ نسبت اخلاص وتقویٰ میں بڑھ کر ہونے کی فضیلت کو بیان فرمانا ہے۔ بقدر ضرورت انمیں سے بعض کے بعض اقوال حسب ذیل ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کاقول: علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کا منشاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''واقتضی ھذا الحدیث ان تکون الصحابتہ افضل من التابعین و التابعون افضل من اتباع التابعین ''یعنی حدیث ہذا کا مقتضایہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین سے اور تابعین اتباع تابعین سے افضل ہیں اھ۔

ملاحظہ ہو (فتح الباری جلد 7 صفحہ 8 حدیث 3649 طبع دارالدیان القاہرہ مصر)۔

علامہ نووی کا قول: علامہ نووی فرماتے ہیں۔ ''وفی ھذا الحدیث معجزات الرسول ﷺ وفضل الصحابۃ و التابعین وتابعیھم ''یعنی اس حدیث میں اخبار غیوب کے رسول ﷺ کے کئی معجزات اور صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین کرام (رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین) کی فضیلت کا بیان ہے اھ۔

ملاحظہ ہو (نووی شرح مسلم جلد 2 صفحہ 308 طبع کراچی)۔

علامہ قسطلانی کا ارشاد: حضرت امام علامہ قسطلانی ارقام فرماتے ہیں ''وھذا صریح فی ان الصحابۃ افضل من التابعین و ان التابعین افضل من تابعی

التابعین وھذا مذھب الجمھور ''یعنی یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ تابعین سے اور تابعین اتباع تابعین سے افضل ہیں جبکہ جمہور کا مذہب بھی یہی ہے اھ۔

ملاحظہ ہو (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد 6 صفحہ 80 طبع دار الفکر بیروت)۔

علامہ علی القاری کا قول۔ علامہ علی القاری الحنفی اسکی شرح میں اسکا مفاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''ولما کان اھل الخیر نادرا فی القرن الرابع اقتصر علی القرون الثلثة فی اکثر الروایات بکثرۃ اھل العلم والصلاح فیھم وقلة السفه والفساد منھم ''یعنی اکثر روایات میں تین قرون کی فضیلت منقول ہے اور بعض میں چوتھے قرن کی فضیلت بھی مذکور ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تین قرون پر نیکی، زیرکی اور اخلاص کا غلبہ تھا اسکے برخلاف قرن رابع میں یہ چیزیں نادر تھیں اور اسکی اکثریت پر برائی، امور فساد وسفاہت کا غلبہ تھا اھ۔

ملاحظہ ہو (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 11 صفحہ 275 طبع امدادیہ ملتان)۔

(6)۔ بلکہ اس حدیث کا یہی منشاء ہونے کو خود گکھڑوی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے جس پر بے ساختہ نوک قلم پر آتا ہے۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

چنانچہ انکے لفظ ہیں''ان روایات سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون کے بعد جو لوگ پیدا ہونگے ان میں دین کی وہ قدر وعظمت نہ ہوگی جو خیر القرون میں تھی........الغرض ظاہری اور باطنی، قولی اور فعلی ہر قسم کے معاملات میں ان کی دینی زندگی میں انحطاط ہی انحطاط ہوگا''اھ بلفظہ ملخصاً۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 43)

نیز دوٹوک الفاظ میں مزید لکھا ہے ''اس میں شک نہیں کہ پہلے قرن جیسی خیریت دوسرے میں نہ تھی اور دوسرے جیسی خیریت تیسرے میں نہ تھی'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ 55)۔

لفظ خیر سے استدلال کارد بلیغ:

حدیث خیر القرون میں وارد لفظ خیر بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے اپنا مفید مطلب سمجھنے میں انکے لئے ذرہ بھر بھی خیر نہیں کیونکہ

اولاً: اگر یہ لفظ گکھڑوی استدلال کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتو پھر وہ جس شخص یا طبقہ کیلئے وارد ہوگا اسکی سب ایجادات اور اسکا فعل وترک سب بھی سنت قرار پائیں گے نیز اس سے تین قرون والی پابندی بھی رفع ہوجائے گی جو گکھڑوی صاحب اور انکی جماعت کیلئے موت سے کم نہیں۔ اس لفظ (خیر) سے مرصع احادیث بکثرت ہیں تفصیل کیلئے جامع صغیر للسیوطی رحمہ اللہ جیسی تالیفات کے متعلقہ باب کا مطالعہ کیا جائے یہاں بقدر ضرورت بعض امثلہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) خیر کم من تعلم القرآن وعلمه (رواه البخاری والترمذی عن امیر المؤمنین علی واحمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجه عن امیر المؤمنین عثمان رضی الله عنهما وقال الامام السیوطی صحیح . وفی روایة خیار کم بدل خیر کم رواه ابن ماجه عن سعد رضی الله عنه وقال الامام الموصوف صحیح)

یعنی تم سے افضل وہ ہے جو خود قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے

(۲) ''خیر کم من اطعم الطعام ورد السلام''

یعنی تم میں بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے (رواه ابو یعلیٰ فی مسنده والحاکم فی المستدرک عن صهیب رضی الله عنه وقال السیوطی

صحیح)

(۳) ''خیر شبابکم من تشبه بکھو لکم الحدیث'' یعنی تمہارے نوجوانوں میں سے بہتر وہ ہیں جو تمہارے بوڑھوں سے مشابہ ہوں یعنی نیک ہوں (رواہ ابویعلی والطبرانی فی الکبیر عن واثلته والبھیقی فی شعب الایمان عن انس وابن عباس وابن عدی فی الکامل عن ابن مسعود رضی اللہ عنھم وقال السیوطی حسن)

(۴) ''خیر الناس من طال عمرہ وحسن عملہ''یعنی لوگوں میں سے زیادہ اچھا وہ ہے جسکی عمر لمبی کے ساتھ ساتھ عمل اچھے ہوں (الحدیث رواہ احمد والترمذی عن عبداللہ بن بسر وھما والحاکم فی المستدرک عن ابی ابکرۃ رضی اللہ عنھما وقال السیوطی بکلیھما صحیح)

(۵) خیر الناس اقرؤ ھم للقرآن وافقھم فی دین اللہ واتقاھم للہ وامرھم بالمعروف وانھا ھم عن المنکر واوصلھم للرحم'' یعنی تمام لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو زیادہ پڑھنے والا، اللہ کے دین کو زیادہ سمجھنے اور اللہ سے زیادہ ڈرنے والا، نیکی کا سب سے بڑھ کر حکم دینے اور برائی سے بہت روکنے والا اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔(رواہ الامام احمد فی المسند والامام الطبرانی فی المعجم الکبیر عن درۃ بنت ابی لھب رضی اللہ عنھا وقال السیوطی علیه الرحمة صح)

(۶) ''خیار امتی فی کل قرن خمسمائة والابدال اربعون فلاالخمسمائة

ینقصون ولا الاربعون ''یعنی ہر قرن میں میری امت سے پانچ سو افراد بہت برگزیدہ ہوں گے اور ابدال چالیس ہونگے پس نہ ان پانچ سو میں کمی آئے گی اور نہ ان چالیس میں (الحدیث رواہ الامام ابونعیم فی الحلیۃ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما وقال السیوطی حسن)

اقول : تو کیا ان احادیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ انمیں مذکور جن حضرات یا جن طبقات کو خیر اور خیار فرمایا گیا ہے انہی کا کرنا نہ کرنا سنت بدعت ہونے کا معیار ہے؟ اگر کہیں ہاں! تو اس سے تین قرون والی پابندی باطل ہوئی بلکہ سارا گھڑوی منصوبہ ہی خاک میں مل گیا کہ جملہ معمولات اہل سنت کے عاملین بڑے بڑے اولیاء وعلماء وصلحاء وخیار امت ہیں جبکہ عمل خیار کا خود دلیل ہونا مسلم تو حجت قائم اور اگر کہیں نہیں تو کسی معیاری شرعی دلیل سے وجہ فرق بتائیں۔ اور اگر کہیں کہ خرالقرون کے بعد والے ادوار کے متعلق ''ثم یفشو الکذب'' وغیرہ وارد ہے؟ تو پھر ان احادیث میں خیر القرون کے بعد والوں کیلئے خیر اور خیار کے الفاظ کا کیا مطلب جن میں سے کچھ وہ بھی ہیں کہ جن کی موجودگی ہر قرن میں لازم قرار دی گئی ہے جیسا کہ حدیث نمبر 4 میں ''فی کل قرن'' کے لفظ منقول ہیں؟ بلکہ ایک حدیث میں تو پوری امت کو خیر قرار دیا گیا ہے۔ حیث قال علیہ السلام ''امتی مثل المطر لایدری اولہ خیر ام اولہ'' (رواہ الترمذی عن انس والامام احمد عن عمار بن یاسر وابن حبان عن عمار وسلمان رضی اللہ عنہم حولہ بھو لاء الامام الشیخ اعلی حضرۃ احمد رضا الفاضل البریلوی فی اقامۃ القیامۃ وقال الشیخ المحقق حدیث حسن است کہ مراورا طرق است کہ بداں بدر

جه صحت مے رسد قاله فی اشعته اللمعا (جلد۴ صفحہ۷۵۳ طبع سکھر)

اسکے تحت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللعمات (جلد۴ صفحہ ۷۵۳) میں فرماتے ہیں: کنایہ است از بودن ہمہ امت خیر چنانکہ مطر ہمہ خیر و نافع است'' اھ

پس حدیث کا معنی ہوگا کہ جیسے بارش کل کی کل خیر اور نافع ہے میری امت بھی تمام کی تمام خیر اور نافع ہے۔ تو کیا گکھڑوی صاحب یہاں بھی یہی کہیں گے کہ امت جو کرے وہ سنت ہے اور جو نہ کرے وہ بدعت سیہ ہے۔ کچھ تو بولیں۔ ع جلا کر راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں۔

ثانیاً: علاوہ ازیں خیر بمعنی اخیر صیغۂ اسم تفضیل ہے جس میں نسبتی معنی ہوتا ہے (کمامرّ انفاً) تو اس سے خیر القرون کے بعد والوں کے فعل و ترک کا مذموم بدعت ہونا قطعاً ثابت نہیں ہوگا بلکہ نسبتی معنی کے حوالہ سے یہ مفہوم ہوگا کہ قرون مشهود لها بالخیر کے ترک و فعل بہت اچھے اور بعد والوں کے فعل و ترک اچھے ہونگے۔ بولئے گکھڑوی صاحب لفظ خیر سے استدلال کیسا رہا؟

ثالثاً: اسکا ایک جواب وہی ہے جو گکھڑوی صاحب کے پیشرو مولوی خلیل انبیٹھوی سہارنپوری صاحب نے اپنے سابقہ پیر بھائی حضرت قالع انبیٹھویت قاطع گنگوہیت مولانا علامہ عبدالسمیع صاحب بیدل امدادی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کو محض دفع وقتی کرتے ہوئے اور اپنا جرم چھپاتے ہوئے۔ الٹا.........کوتوال کو ڈانٹے۔ کے پیش نظر دیا بلکہ اپنے برخوردار گکھڑوی کے لئے چھپا کر رکھ دیا تھا جو آج ان پر من وعن فٹ آرہا ہے۔ پڑھئے اور سر دھنئے چنانچہ ان کے لفظ ہیں۔

''خبط تقریر کر کے خواری اٹھائی سو ابھی کیا ہے حدیث میں تو اور جگہ بھی لفظ خیر کا وارد ہوا ہے قولہ علیہ السلام خیر الناس من ینفع الناس ۔ پس جو لوگوں کو نفع رساں ہوگا اس کی ایجاد کو مؤلف سنت کہے گا۔ دوسری حدیث میں ہے خیر کم خیر کم لا ھلہ ۔ پس اب جو اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاملہ کرتا ہوگا اسکا ایجاد بھی سنت ہو جائے گا۔ بزعم مؤلف کیونکہ خیر کا لفظ یہاں بھی ہے۔ اور دیگر ایسے محل اور بھی ہیں پس مولف کسقدر کم فہم ہے اور کیا خوب جملہ اولی کی شرح لکھی ہے حق تعالی اس کو حیاء عطا فرماوئے جو شعبہ ایمان کا ہے تو اسوقت اپنے اس کلام بے مغز خلاف شرع پر شاہد شرما کر نادم ہو،، اور بلفظ ملاحظہ ہو (براھن قاطعہ نمبر ۳۹ نمبر ۴۰ طبع دار الاشاعت کراچی نمبر ۱)

اقولُ: گکھڑوی کے امام باصفا کی اس شستہ زبانی کو ملحوظ اور گکھڑوی صاحب کے لئے اسے محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ موصوف نے اپنی خیریت کے کلیہ وجزئیہ کا فلسفہ بیان کر کے پلاؤ وغیرہ کی جو عمدہ بحث زینت قرطاس کر کے ایک چیز کی عجیب فضیلت بیان کی ہے اسے بھی ملاحظہ فرما کر انکی ذھنیت کا اندازہ لگایئے۔ فرماتے ہیں ص- ''پلاؤ قورمہ میں جو فضل کلی ہے اور پاخانہ میں کھاد زراعت کا ہونے کی خوبی ہے۔۔۔۔۔۔ فضل کلی پلاؤ میں ہے اور فضل جزئی پاخانہ میں'' الخ۔ ملاحظہ ہو (براھین قاطعہ نمبر ۳۹ طبع مذکور)

اقولُ: لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ یہ ہے دیوبندی برھان قاطع جو جزو ہے انکی براھن قاطعہ کی۔ **''بلانکیر'' کی قید کا محاسبہ:** اس مقام پر گکھڑوی نے حدیث خیر القرون کو بنیاد بنا کر بہت سے امور میں جان خلاصی کیلئے چور دروازہ رکھنے کی غرض سے ''بلانکیر'' کی قید لگائی پھر اسے ''اکثریت'' کی قید سے بھی مقید کیا ہے کہ انکی اکثریت نے بلا

نکیر کچھ کیا یا نہ کیا ہو تو وہ بھی دلیل شرعی ہوگا۔ چنانچہ انکے لفظ ہیں ''حضرات صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تباع تابعین کی اکثریت کا کسی کام کو بلانکیر کرنا یا چھوڑنا بھی ایک حجت شرعی ہے اور ہمیں ان کی بھی پیروی کرنا ضروری ہے'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت نمبر۴۲)

اقول : حدیث ہذا کے جملہ طرق ہم نے باتفصیل مع حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں آپ انہیں سامنے رکھ کر چیک کر لیں کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جسکا یہ معنے ہو کہ سنت وہی ہے جو اہل خیر القرون نے کیا اور بدعت وہی ہے جو انہوں نے نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی یہ اسکا مفہوم ہے۔ اسی طرح اسکے کسی طریق میں ''بلانکیر'' کرنے چھوڑنے کی قید کا بھی کوئی وجود نہیں ہے اور نہ ہی اسمیں اسکے لئے ''اکثریت'' کی قید کا ذکر ہے جبکہ انہوں نے اسکی اور بھی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ ہی وہ ایسی کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ پس یہ گکھڑوی کی خود ساختہ، خانہ ساز، ایجاد بندہ اور از خود ملائی ہوئی قید ہوئی جو حدیث نبوی علی صاحب السلام میں انکی شدید تحریف اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر ان کا سخت افترا ہے وقال اللہ تعالی انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون با یت اللہ واو لا ئک ھم الکذ بون. جسکے وہ دنیاؤ آخرت میں ہمارے جوابدہ اور خدا اور سول (جل جلالہ، وصلے اللہ علیہ وسلم) کے سخت مجرم ہیں۔

(۲)۔ علاوہ ازیں اس قید کا اضافہ کر کے گکھڑوی صاحب بقلم خود بدعتی وغیرہ وغیرہ بھی قرار پائے ہیں کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ عام و مطلق کو مخصوص و مقید کرنا بدعت مذمومہ اور منصب تشریع پر دست اندازی وغیرہ ہے چنانچہ انکے لفظ ہیں ''وہ..........جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا.......بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت

ہوگی اور شریعت اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی'' اھ بلفظہ ملخصاً

ملاحظہ ہو (راہ سنت نمبر ۱۱۸)

مزید لکھا ہے: ''شریعت کی کسی عام دلیل کو اپنی مرضی سے خاص کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں مطلق کو اس طرح مقید کر دینا اور عمومات کو اس طرح سے خصوص کے قالب میں ڈھال دینا یہی احداث فی الدین اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے۔ امام عز ناطی نے کیا خوب کہا ہے کہ ان مطلقات کو مقید کرنا کہ جنکی تقیید شریعت سے ثابت نہیں ہے، شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے (الاعصام جلد نمبر ا صفحہ ۲۸۴)'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۱۳۳۔۱۳۴)

پس اب گکھڑوی صاحب یا تو حدیث شریف میں لگائی گئی اپنی ان قیود کا حسب اصول خود صحیح اور معیاری ثبوت پیش کریں یا پھر بقلم خود بدعت اور احداث فی الدین، شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینے اور منصب تشریع پر دست اندازی کے مرتکب ہونیکا اقرار کریں۔

من نہ گویم ایں کن و آں مکن   مصلحت بین وکار آساں بکن

(۳)۔ علاوہ ازیں بلانکیر کرنے چھوڑنے کے ''حجت شرعی'' ہونے کے حوالہ سے تابعین واتباع کے لئے گکھڑوی صاحب نے اکثریت کی قید لگائی ہے جبکہ صحابہ کرام کیلئے انہوں نے اسکی کوئی قید نہیں لگائی جیسا کہ انکے منقولہ بالا الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ جبکہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں وہ جو حدیث لائے ہیں (اعنی حدیث خیر القرون) اسمیں سرفہرست صحابہ کرام ہیں پس اگر وہ حدیث اکثریت کی قید کی دلیل تھی تو صحابہ کرام کو انہوں نے اسمیں شامل کیوں نہیں کیا۔ اور اگر وہ اسکی دلیل نہیں تھی تو انہوں نے اس میں غیر شامل چیز کو از خود شامل کیوں کیا؟

(۴) علاوہ ازیں بلانکیر کے لفظ، خاموش عمل کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں ''جوتعامل'' کا دوسرا نام ہے اور وہ از قبیل اجماع ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں باحوالہ گزر چکا ہے جسکا حجت شرعیہ ہونا خارج از بحث ہے کیونکہ اسکی حجیت کے ہم بفضلہ تعالیٰ قائل ہیں جسکی وضاحت امام جلال الملہ والدین السیوطی رحمہ اللہ کی حسب ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ حافظ شمس الدین مقدسی حنبلی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں:

''ان المسلمین مازالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا'' یعنی ہر دور کے مسلمانوں کا بلانکیر یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات یافتہ مسلمانوں کیلئے جمع ہو کر قرآن خوانی کرتے تھے پس یہ ان کا اجماع ہوا۔ ملاحظہ ہو (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور صفحہ ۱۳۰ طبع سوات)

اس سے معلوم ہوا کہ بلانکیر کے الفاظ، تعامل اور اجماع کے مفہوم کو ادا کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں عدم فعل کیلئے نہیں پس گکھڑوی صاحب کا تعامل اور اجماع کو عدم فعل کی مد میں رکھ کر اسے اپنے دعویٰ کی دلیل بنا کر پیش کرنا انکی ہاتھ کی صفائی یا کم از کم جہالت ضرور ہے

(۵) علاوہ ازیں انہوں نے ''بلانکیر'' کی وضاحت میں کوئی مثال بھی پیش نہیں کی تاکہ اسکا جائزہ لیا جاتا جس سے انکی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) علاوہ ازیں تعامل کو عدم فعل کی مد میں رکھنا انکی ایک اور جہالت ہے کیونکہ تعامل، فعل کا نام ہے عدم فعل کا نہیں۔ (مسئلہ ترک کی بحث باب نمبر میں آرہی ہے)

(۷) علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب اور انکی جماعت عملی طور پر اپنے اس اصول کو رد کر چکے ہیں کیونکہ بہت سے وہ امور جن کا خود ان حضرات کے حسب اصول خیر القرون سے ثبوت نہیں

ہے (جیسے ختم بخاری اور بعد نماز عیدین امام اور مقتدیوں کا مل کر اجتماعی شکل میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا وغیرہما۔ کما مر تفصیلہٗ)

بلکہ بعض پر خود صحابہ و تابعین کرام سے نکیر بھی ثابت ہے (جیسے جمع قرآن، نماز چاشت اور جمعہ کی اذان اول وغیرہا وقد مر ایضاً)

اسکے باوجود گکھڑوی صاحب اور انکی جماعت نے انہیں بلا نکیر اپنا معمول بنا رکھا ہے اس سے بھی انکی اس تراش خراش کے غلط ہونے کا پتہ چلتا ہے (وھو المقصود)

اتباع خیرالقرون کے حوالہ سے گکھڑوی مغالطہ کا رد

نیز اس کا صحیح مفہوم : اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ احکام شرعیہ کو قرون ثلثہ میں منحصر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ انکی اتباع کا ہمیں پابند بنایا گیا ہے پس انکی پیروی درحقیقت ان احادیث کی پیروی ہے جن میں انکی اتباع کا امر فرمایا گیا ہے۔(ملخصاً ومستفاداً)

ملاحظہ ہو(راہ سنت صفحہ۴۲_۵۲_۵۳)

تو اسکا جواب یہ ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث میں ایسی کوئی ایک بھی صحیح صریح مرفوع متصل غیر معلل غیر شاذ وغیر معارض حدیث نہیں ہے کہ جس میں اہل خیر القرون کو شارع کی حیثیت دیکر یہ فرمایا گیا ہو کہ سنت وہی ہو گا جو وہ کریں گے۔اور بدعت وہی ہو گا جو وہ نہ کریں گے۔ ہاں البتہ انکے حق میں احادیث صحیحہ کثیرہ میں ان پر نیکی پارسائی دیانتداری اور خداترسی جیسے کئی اوصاف حمیدہ کے غلبہ کے ہونے کی پیشگوئیوں کے ضمن میں انکی تعریف ضرور وارد ہے جبکہ ان احادیث مدح سے مقصود'' **خیر القرون کے مطلقاً عادل فی الروایة** ''ہونے کا بیان بھی نہیں۔اگر انکا یہی معنی ہوتا تو ائمہ دین اسے صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہ فرماتے بلکہ'' **الصحابة کلهم عدول فی الروایة** '' کے کلیہ کی بجائے'' **جمیع خیر القرون والمشهود لها بالخیر عدول فی الروایة** '' کا قاعدہ بناتے جبکہ معاملہ اسکے بالکل برعکس ہے کیونکہ ائمہ شان نے کئی بڑے بڑے جلیل القدر تابعین اور اتباع پر بھی فنی حوالہ سے سخت جرحین فرما کر ان کی بے شمار روایات کو رد فرمایا ہے۔جن میں ہزاروں وہ بھی ہیں جو صحت ایمان **تصلب فی العقیدة الصالحه عمل بالسنه وقمع بالبدعة** نیز زہد وتقویٰ اور عبادت و

ورع اور خدا خوفی وحب نبوی علیٰ صاحبہ السلام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں جو کسی بھی
خادم اسماء الرجال پر کسی طرح مخفی نہیں اور بھی توفیق نہ ملے تو اسکے لیئے تہذیب التہذیب ہی کو
سامنے رکھ لیا جائے۔ لہٰذا انکی تعریف فرمانے سے مقصود اصلی دیگر قرون کی بہ نسبت ان پر نیکی
کے زیادہ غالب ہونے کی پیشگوئی فرمانے کے سوا کچھ نہیں۔ وللہ الحمد۔ باقی اس سلسلہ میں
گکھڑوی صاحب نے جو نام کے دلائل پیش کیئے (اور درحقیقت مغالطات دیئے) ہیں انکے
جوابات حسب ذیل ہیں۔

روایت اُوصیکم باصحابی **سے مغالطہ کا رد :** چنانچہ اس سلسلہ میں
گکھڑوی صاحب نے ایک روایت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''حضرت عمر روایت کرتے
ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ'' اوصیکم باصحابی '' (پھر اسکا اردو میں
ترجمہ یوں کیا ہے) میں تمہیں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان
کے نقش قدم پر چلنا)'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۲)

جواب نمبر 1: جسکا جواب نمبر 1 خود گکھڑوی صاحب کی اس عبارت میں موجود
ہے جسکی مختصر تفصیل یہ ہے کہ انکے نقل کردہ ان الفاظ حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ'' میں تمہیں
اپنے صحابہ کرام کے بارے میں وصیت کرتا ہوں لیکن اسکے طریق ہذا میں امر وصیت کی
وضاحت قطعاً نہیں ہے یعنی وصیت کی نوعیت اسمیں مذکور نہیں ہے کہ کس امر کی وصیت کی جارہی
ہے۔ بالفاظ دیگر اوصیٰ اور وصیّ کا لغوی معنےٰ ہے عہد لینا اور حکم دینا چنانچہ گکھڑوی
صاحب کے پیشرو ملا عبدالحفیظ بلیاوی دیوبندی نے وصاہ بفلان ان یحسن الیہ کا ترجمہ

لکھا ہے۔ ''فلاں کے ساتھ اسکو احسان کرنے کا حکم دیا'' نیز اوصی فلانا بکذا کا معنےٰ انہوں نے لکھا ہے۔ ''کسی کام کا عہد لینا۔حکم دینا'' ملاحظہ ہو (مصباح اللغات صفحہ ۹۵۰ طبع لاہور)

پس پیش نظر الفاظ حدیث کا معنےٰ ہوگا میں تم سے اپنے صحابہ کرام کے متعلق عہد لیتا ہوں یا میں تمہیں اپنے صحابہ کرام کے بارے میں حکم دیتا ہوں مگر اس سے آگے نوعیت عہد اور نوعیت حکم کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا یہ حدیث اس سے خاموش ہوئی یہی وجہ ہے کہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی اسکی نوعیت کی وضاحت میں جو لفظ لکھے ہیں ''کہ ان کے نقش قدم پر چلنا'' انہیں انہوں نے بین القوسین او بریکٹ میں رکھا ہے جبکہ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ اصل کلام کے نہیں بلکہ مترجم کا اضافہ ہوتے ہیں۔ جو ترجمہ کرنے والے کی طرف سے دعویٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اضافہ کئے گئے یہ الفاظ بھی گکھڑوی صاحب کا دعویٰ ہوئے جن کی دلیل اور ثبوت مہیا کرنا موصوف کے ذمہ تھا اور ہے مگر وہ اسمیں کلی طور پر ناکام رہے ہیں اور نہ ہی وہ کبھی اس کی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ بے شک محنت کر کے دیکھ لیں۔

ع   ہمیں گوی و ہمیں میداں۔ دیدہ باید

جواب نمبر 2 : علاوہ ازیں پیش نظر حدیث میں مذکور امر وصیت، عہد اور حکم کی نوعیت اسکے بعض دیگر طرق میں مصرح ہے جو تفسیر الحدیث بحدیث اخر ہوئی جسکی صحت کو وہ خود مان چکے ہیں۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۷)

پس اگر وہ گکھڑوی صاحب کے علم سے باہر تھے تو یہ انکی جہالت ہوئی جس سے انکی شیخ

الحدیثیت کی شیخی کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے۔ اور اگر انہیں اسکا علم تھا اسکے باوجود انہوں نے حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے ناواقفوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے تو یہ انکی شدید تلبیس اور سخت تحریف ہوئی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

چنانچہ اسکے بعض طرق میں ''اوصیکم باصحابی'' کے الفاظ کی بجائے یہ لفظ ہیں ''استوصوا باصحابی خیراً''(رواہ احمد والحاکم وابن حبان عن ابن عمر عن ابیہ رضی اللہ عنہما مرفوعاً)

بعض میں اسطرح ہے: ''احفظونی فی اصحابی''(رواہ الحاکم عن سعدبن ابی وقاص عن الفاروق الاعظم (رضی اللہ عنہما)مرفوعاً)

بعض میں یوں ہے: اکرموا اصحابی (رواہ ابوداؤد الطیالسی عن جابر بن سمرۃ عن سیدنا عمر بن الخطاب(رضی اللہ عنہما)مرفوعاً) والحمیدی عن سلیمان بن یسارعن عنہ

بعض میں یہ الفاظ ہیں: احسنوا الیٰ اصحابی (رواہ ابن حبان فی صحیحہ بالطریق المذکور)

جبکہ بعض میں یہ الفاظ منقول ہیں: ''ایھاالناس اتقوا اللہ فی اصحابی''(رواہ ابن ابی شیبۃ وعبدالرزاق فی مصنفیھما عن قبیصۃ بن جابر عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ)

ان سب کی مکمل تفصیل روایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زیر عنوان مع مکمل حوالہ جات ابھی کچھ پہلے گزر چکی ہے پس ان سب کے پیش نظر، حدیث کے اس حصہ کا معنیٰ یہ ہوگا

کہ ''اے لوگو! میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں عہد لیتے ہوئے یہ وصیت کرتا اور حکم دیتا ہوں کہ تم ان سے اچھائی کے ساتھ پیش آؤ گے، ان کا اکرام بجالاؤ گے، ان سے حسن سلوک کرو گے اور ان کے معاملہ مین اللہ سے ڈرو گے لہٰذا تم مجھے میرے صحابی کے متعلق اسکی ضمانت اور گارنٹی دو'' اھ

جس سے یہ امر روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گیا کہ آپ ﷺ کا اپنے اس ارشاد مبارک سے مقصود اپنے صحابہ کرام کے بارے میں حسن سلوک اور انکا ادب واحترام کرنے کی وصیت فرمانا اور مستقبل کے فتنات کے پیش نظر جو نگاہ نبوت کے سامنے تھے فتنہء روافض اور فتنہء خوارج کا رد اور سد باب تھا جو عین حقیقت کی ترجمانی ہے جس پر بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت کا پختہ ایمان ہے (والحمدللہ الرحمن الحنان المنان جل جلالہ)

جواب نمبر3: گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں تو اپنے اسی ترجمہ کے مطابق درج ذیل احادیث وعبارات کا ترجمہ پھر ان پر عمل کر کے دکھائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) ''اوصانی اللہ بذی القربیٰ ''الحدیث (رواہ الحاکم عن عبداللہ بن ثعلبۃ رضی اللہ عنہ وقال السیوطی صح ای ھذاالحدیث صحیح) ملاحظہ ہو (الجامع الصغیر ج ۱ صفحہ ۱۰۹)

گکھڑوی صاحب کا وہ ترجمہ اگر صحیح ہے تو اس حدیث کا ترجمہ یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرابت والوں کی پیروی کا حکم دیا۔ جسکا از حد غلط ہونا خوب ظاہر ہے جو محتاج بیان نہیں۔

(۲) صحیح مسلم (ج ۲ صفحہ ۳۱۱ طبع کراچی) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مصر کے بارے میں ارشاد فرمایا: **فاستوصوا باهلها خيرا فان لهم ذمة الحديث**

گکھڑوی صاحب کے طور پر اسکا ترجمہ یہ بنے گا کہ تم اہل مصر سے بھلائی کی طلب کیجئے گا کیونکہ وہ ذمی ہیں۔ گکھڑوی صاحب بتائیں کیا یہ ترجمہ درست ہے؟

(۳) اس پر علامہ نووی نے یہ عنوان باب قائم فرمایا ہے۔ ''**باب وصية النبي** ﷺ **باهل مصر**'' اسکا ترجمہ بھی گکھڑوی صاحب کے مطابق اسطرح بنے گا ''نبی ﷺ کے اہل مصر کی تابعداری کا حکم دینے کا بیان'' اور ابھی حدیث کے حوالہ سے گزرا ہے کہ وہ (اہل مصر) ذمی تھے۔ تو کافروں کی پیروی کرنے کا کیا معنٰے؟

(۴) سنن ابن ماجہ (صفحہ ۲۲ طبع کراچی) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد ان کے پاس آنے والے طلباء علم دین کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''**فاذا جاء وكم فاستوصوا بهم خيراً**'' نیز علامہ ابن المنظور نے ایک حدیث ان لفظوں میں نقل فرمائی ہے ''**استوصوا بالنساء خيراً**'' ملاحظہ ہو (لسان العرب ج ۱۵ صفحہ ۳۹۴ طبع ایران) انکا ترجمہ بھی حسب اصول گکھڑوی، مذکورہ بالا حدیث نمبر ۲ کے ترجمہ کی طرح ہوگا جسکی سخافت اظہر من الشّمس ہے۔

(۵) مسند احمد (ج ۱ صفحہ ۱۵ طبع مکۃ المکرّمۃ) اور مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱۴ صفحہ ۵۸۱ حدیث نمبر ۱۸۹۱۰ طبع کراچی) میں جویریہ بن قدامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور یہ اسوقت کی

بات ہے کہ جب آپ پر حملہ ہوا تھا اور آپ ﷺ سخت زخمی حالت میں تھے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

''اوصیکم بالمهاجرین فان الناس سیکثرون ویقلون واوصیکم بالانصار فانهم شعب الاسلام الذی لجأ الیه واوصیکم بالاعراب فانهم اخوانکم وعدوکم واوصیکم باهل ذمتکم فانهاعهد نبیکم ورزق عیالکم الحدیث واللفظ لاحمد'' اسکا ترجمہ بھی گکھڑوی صاحب کے طور پر یہ ہوگا کہ مہاجرین وانصار اور اعراب وذمی کفار کی پیروی کرو۔ جو انتہائی مضحکہ خیز ہے اور نہایت درجہ غلط بلکہ کفر پر مشتمل بھی کہ اسمیں ذمی کافروں کے متعلق بھی ''اوصیکم'' کے الفاظ وارد ہیں۔ پس موصوف یا تو ترجمہ ہذا کے غلط ہونیکا اعتراف کریں یا باقاعدگی سے اہل ذمہ کی پیروی اختیار کریں۔

فلیلزم الجماعة **سے مغالطه کا رد۔** اس بارے میں گکھڑوی صاحب نے حدیث ہذا کے الفاظ ''فلیلزم الجماعة'' سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے۔ ''کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں پھر تابعین اور پھر تبع تابعین کے بارے میں اس جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا آنحضرت ﷺ تو حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو لازم پکڑنے اور اس کو نہ چھوڑنے کی وصیت اور ضروری حکم فرماتے ہیں'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۳۔ نیز ۴۲ نحوہ)

جوانکی مغالطه دهی۔ اور ہیرا پھیری پر مبنی ہے کیونکہ یہ حدیث

رسول ﷺ کے کئی ارشادات پر مشتمل اور کئی احکام کا مجموعہ ہے جن میں سے ایک اہل خیرالقرون کی فضیلت کا بیان ہے جو اسکے شروع میں ہے پھر اس سے کچھ آگے تفرقہ سے بچنے اور جماعت اہل حق سے مل کر رہنے کی تلقین ہے جس کا تعلق دور سے ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ ہر دور کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس دور میں موجود جماعت اہل حق کا ساتھ دیں اور ان سے الگ قطعاً نہ ہوں۔ چنانچہ اسکے طرق میں اسکی وضاحت موجود ہے۔ علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة فان الشیطن مع الواحد وھو من الاثنین بعد من اراد بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة '' جیسا کہ ترمذی اور مستدرک کے حوالہ سے مکمل طور پر حدیث خیرالقرون بہ روایت فاروق اعظم میں گزر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے '' الجماعات '' بصیغہ جمع کی بجائے الجماعة بصیغہ واحد فرمایا ہے۔ اگر صحابہ و تابعین اور اتباع کرام مراد ہوتے تو بصیغہ جمع ارشاد فرمایا جاتا کیونکہ یہ ایک جماعت نہیں بلکہ تین جماعتیں ہیں۔

گکھڑوی صاحب نے ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ حدیث میں من مانی کانٹ چھانٹ کر کے الجماعة کے الفاظ کو اوصیکم والے حصے سے ملا کر عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور عبارت کو نقل کرتے وقت درمیان میں بریکٹ کے بغیر الیٰ ان قال کے لفظ لکھ کر آگے '' فلیلزم الجماعة '' لکھ دیا ہے تاکہ ان کے جہلاء انکی اس ہیرا پھیری پر مطلع ہو کر ان سے منحرف نہ ہو سکیں اور ان کا الو آسانی سیدھا ہو سکے لیکن الو بہرحال الو ہی ہوتا ہے سیدھا ہو یا ٹیڑھا۔ ان کا یہ کرتب مکمل طور پر دیکھنے کیلئے انکی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:۔

'' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الیٰ ان قال فلیلزم الجماعة میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں

وصیت کرتا ہوں پھر تابعین اور پھر تبع تابعین کے بارے میں اس جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا''

اھ بلفظہ

اسکے ساتھ ھی یہ حاشیہ بھی چڑھادیا ھے :۔

''آنحضرت ﷺ تو حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو لازم پکڑنے اور اسکو نہ چھوڑنے کی وصیت اور ضروری حکم فرماتے ہیں'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۳)

مزید جوابات۔ اسکے مزید بعض جوابات وہی ہیں جو اس سے پہلے عنوان کے تحت گزرے ہیں جیسے تابعین و تبع تابعین کا ائمہ شان کے نزدیک جرح سے بالاتر نہ ہونا وغیرہ۔

جواب نمبر 4۔ علاوہ ازیں حدیث ہذا ''اوصیکم باصحابی'' کے الفاظ پر ختم نہیں ہے بلکہ ثم حرف عطف کے ساتھ اسکے بعد یہ الفاظ بھی ہیں ''ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم''، جنہیں خود گکھڑوی صاحب نے بھی نقل کر کے ان کا مصداق تابعین اور اتباع تابعین ہونے کی تصریح کی ہے۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۲۔۴۴)

جبکہ یہ الفاظ بھی اس امر کی بین دلیل ہیں ''اوصیکم باصحابی'' کے لفظوں سے پیروی کرنے کا حکم دینا مراد نہیں ورنہ عطف ہونے کے باعث یہ معنیٰ بھی ہوگا کہ صحابہ کے بعد تابعین اور پھر اتباع کی پیروی کرو جواز حد غلط ہے کیونکہ

اولاً: ائمہء جرح وتعدیل کے نزدیک مطلقاً عدول فی الروایۃ ہونا صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی شان ہے۔ تابعین اور اتباع جرح سے بالاتر نہیں ہیں۔ پس جو ہوں ہی

واجب الاتباع، ان پر جرح کے جواز نیز انکی روایات کو واجب الرد ٹھہرانے کے کیا معنیٰ ؟ (وقد مر ایضاً اول هذا البحث)

ثانیاً: ثم تراخی اور ترتیب کیلئے آتا ہے ایسی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ میرے صحابہ کی پیروی کرو پھر تھوڑے عرصہ کے بعد انکی پیروی کو چھوڑ کر تابعین کی پیروی کرنا علیٰ ہذا القیاس پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں بھی چھوڑ کر اتباع کی پیروی کی جیو جو انہتائی مضحکہ خیز ہے کیونکہ اس سے تو صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کے حجیت شرعیہ ہونے کے اثبات کی بجائے واضح طور پر اسکی نفی ہوتی ہے جو ظاہر ہے کہ گکھڑوی منصوبہ کے بالکل برعکس اور سراسر منافی ہے۔

ثالثاً: اگر اسکا وہی معنیٰ ہو جو گکھڑوی نے کیا ہے تو گکھڑوی بقلم خود حدیث ہذا کے منکر قرار پاتے ہیں کیونکہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد اتباع تابعین سے ہیں جبکہ موصوف انکے پیروکار نہیں ہیں۔

جواب نمبر 5: اس سب سے قطع نظر اتباع سے مراد ظاہر ہے کہ انکے نقوش قدم اور طریق کار کی پیروی کرنا ہی ہے جبکہ ان کا طریق کار پیش آمدہ مسائل کے بارے میں اصول وقواعد شرعیہ ہی کو ملحوظ رکھ کر فیصلے صادر کرنا ہے نہ کہ عدم فعل کو عدم جواز کی دلیل بنانا اور حکم بدعت لگانا۔ بالفاظ دیگر ان کا اس نظریہ کا حامل ہونا سرے سے ثابت ہی نہیں ہے کہ سنت وہی ہے جو خیر القرون نے کیا ہو اور بدعت وہی ہے جو انہوں نے نہ کیا ہو بلکہ عملی طور پر وہ اسے رد بھی کر چکے ہیں جیسا کہ مسئلہ جمع القرآن وغیرھا کے حوالہ سے بالتفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے امور میں اہل خیر القرون کا ایک دوسرے سے اختلاف بھی

قواعد واصول شرعیہ کے لحاظ رکھنے کا متقاضی ہے۔

حدیث خیر القرون کے حوالہ سے

حضرۃ مفتی احمد یارنعیمی پر اعتراض کا جواب:

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث خیر القرون کو اہل خیر القرون کی اتباع کے مامور بہ ہونے کے معنےٰ میں لینے والوں کے جواب میں لکھا تھا کہ

''خیر امتی قرنی سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے، کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاویگا'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (جاء الحق جلد۱ صفحہ ۲۲۸ طبع گجرات)

گکھڑوی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''سبحان اللہ تعالیٰ کیا ہی نرالی اور عجیب مفتیانہ تحقیق ہے اگر جناب نبی کریم ﷺ صرف اتنا ہی ارشاد فرما دیتے کہ میرے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی پیروی کرنا اور اس جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا تو یہ بھی آپ کی سنت ہی ہوتی حالانکہ حضرت عمر کی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے جا چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الیٰ ان قال فلیلزم الجماعۃ'' میں تمہیں اپنے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں پھر تابعین اور پھر تبع تابعین کے بارے میں۔ اس

جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ آنحضرت ﷺ تو حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو لازم پکڑے اور اس کو نہ چھوڑنے کی وصیت اور ضروری حکم فرماتے ہیں اور مفتی صاحب کہتے ہیں کہ اس میں سنت کا ذکر ہی کہاں؟ شاید مفتی صاحب کی یہ تحقیق ہو کہ سنت آنحضرت ﷺ کے حکم اور تاکیدی حکم (وصیت) کا نام نہیں ہے بلکہ لفظ سنت ہو تو تب ہی سنت کا اثبات ہو گا ورنہ نہیں'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۲۔۵۳)

اقولُ: ہمارے مذکورہ بیان سے گکھڑوی صاحب کے اس لایعنی اور لچر جواب کا بھی رد بلیغ ہو گیا اور روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت مفتی صاحب کی یہ تحقیق (جسے گکھڑوی صاحب مفتیانہ تحقیق کہ کر محض بات بناتے اور شرم مٹاتے ہوئے آیا گیا کرنا چاہتے ہیں) بالکل درست بجا اور حق ہے اور گکھڑوی صاحب کے عجز کا منہ بولتا ثبوت بھی کیونکہ ٹھوس دلائل کی روشنی ''اوصیکم باصحابی'' کے کلمات، اتباع کا حکم دینے کیلئے نہیں حسن سلوک کی تلقین کے بارے میں متعین ہیں جسکی تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں جب گکھڑوی صاحب کی جماعت کا موقف یہ ہے کہ صریح ثبوت کے بغیر تقریب تام نہیں ہوتی چنانچہ انکی جماعت کے بعض نام نہاد مناظرین کہا کرتے ہیں۔ ایسی واضح آیت دکھاؤ جس میں تصریح ہو۔ ''یجوز الدعاء بعدصلوٰۃ الجنازۃ ''نیز'' ھل کنت الانوراً رسولاً'' نیز انما انا نور اسکے بغیر نہ تو جنازہ کے بعد دعا کا جواز ثابت ہو گا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی نورانیت ثابت ہو گی جبکہ یہاں گکھڑوی صاحب اس سے صاف مکر گئے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ صرف مفہوم کے ثبوت سے بھی کام چل جاتا ہے جو اپنے اصول سے کھلا

انحراف اور مذہبی خودکشی کی بدترین مثال بھی ہے اور ''میٹھا ہپ کڑوا تھو'' کا آئینہ دار۔

نیز حضرت مفتی صاحب کے مطالبہ کے باوجود گکھڑوی صاحب کا ثبوت پیش کرنے کی بجائے ہنسی اُڑاتے ہوئے آگے گزر جانا انکے سخت عجز کی دلیل اور گکھڑوی صاحب کے ذمہ واجب الاداء قرض ہے۔ ورنہ دلیل پیش نہ کرنے میں کیا حکمت تھی جبکہ موقع اور خصم کی جانب سے شدید تقاضا بھی تھا۔

ع   کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

باقی پیش نظر حدیث میں جو انہوں نے کانٹ چھانٹ اور ہاتھ کی صفائی سے سخت مجرمانہ معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے اسکی مکمل تفصیل ابھی گزر چکی ہے اسے بار بار پڑھ کر گکھڑوی صاحب کی کمال دیانتداری پر سر دھنئے اور انہیں داد پیش کیجئے۔

نہ صدمے تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے ☆ نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

علامہ عبدالسمیع رامپوری پر اعتراض کا جواب:

حضرت مولانا علامہ عبدالسمیع صاحب بیدلؔ امدادی رامپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو امام دیابنہ گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان کے پیر بھائی اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ کے افکار کے صحیح وارث و امین اور انکے مسلک کے علمبردار تھے، نے اس بارے میں اپنے ان برگشتہ پیر بھائیوں کو جھنجھوڑتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

دیکھئے ان روایتوں میں کسی جگہ بدعت اور احداث کا ذکر نہیں۔ یہ کس طرح سمجھ میں آئے کہ ان لوگوں کا قاعدہ تو ایسا بڑا کلیہ جامع و مانع کہ جس کے سبب اہل اسلام میں پھوٹ اور خانہ جنگی اور تفسیق اور تضلیل وسب وشتم وغیبت وکنیہ وفساد باہم ڈال رکھا ہے پھر نہ کسی راوی

نے لفظ بدعت واحداث اس حدیث میں روایت کیا اور نبی کریم ﷺ نے جو کہ دانائے لغت اور مبین حکم شریعت .... اس حدیث میں لفظ صریح منصوص نہ فرمایا.......... تعجب ہے یہاں تو اسکا نام بھی نہیں اور ان حضرات نے دھوم مچادی۔ اھ بلفظہ ملخصاً

ملاحظہ ہو (انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ صفحہ ۲۷۔۲۸ طبع مطبع مجتبائی دہلی)

توضیح: اس عبارت سے حضرت علامہ رامپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ حدیث خیر القرون میں صحابہ وتابعین اور اتباع کرام کے بارے میں یہ تو موجود ہے کہ ان پر نیکی کا غلبہ ہوگا لیکن اسکے کسی بھی طریق میں یہ قطعاً نہیں ہے کہ ان کے بعد بدعت یا احداث فی الدین ہوگا جبکہ فریق ثانی کا دعویٰ بھی یہی ہے اور ثبوت بھی اسی کا مہیا کرنا انکی ذمہ داری ہے پس اس سے مخالفین کی تقریب، تام نہ ہوئی اور دعویٰ بلا دلیل رہا (وھو المقصود)

گکھڑوی سے اسکا جواب بھی نہیں بن پڑا اسکے جواب میں بھی انہوں نے لفظوں کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بعینہ وہی کچھ دہرا کر لکھ دیا ہے جو حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمتہ والرضوان کے مطالبہ کو پورا کرنے کی بجائے ادھر ادھر کی ہانک کر وقت پاس کرتے ہوئے لکھدیا تھا اسلیئے ہمیں بھی مزید کچھ جواب لکھنے یا اپنے جواب کا اعادہ کرنے کی قطعاً حاجت نہیں البتہ اسمیں انہوں نے ایک جھوٹ کا اضافہ کیا ہے جو واقعی ان کا کمال ہے جو ان کے ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ ''احادیث میں اس امر کو مبرہن کیا گیا ہے کہ خیر القرون کے خلاف جو کچھ ایجاد کیا جائے گا جس کا تعلق دین سے ہو تو وہ بدعت بھی ہے اور مردود بھی'' (راہ سنت صفحہ ۵۴) حالانکہ انہوں نے ایسی کوئی برہان پیش کر کے اس امر کو قطعاً مبرہن نہیں کیا۔ ماشاء اللہ

ع ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

اقرار شکست : ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں: باقی رہا یہ سوال کہ ان روایتوں میں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں؟ تو نہ سہی جو چیز ان احادیث میں بیان کی گئی ہے وہ ان سے اخذ کرلو اور جو چیز دوسری احادیث میں بیان ہوئی ہے وہ ان سے لے لو کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی''

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۴)

اقول : یہ واضح اقرار عجز و شکست ہے کہ حضرت مولانا عبدالسمیع علیہ الرحمتہ نے جو مطالبہ فرمادیا تھا وہ اتنا وزنی ہے کہ گکھڑوی صاحب اس سے قبل انکے مقتدیان گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان اسکے تلے دب کر رہ گئے اور واضح اعتراف ہے کہ حضرت علامہ موصوف واقعی اپنے اس موقف میں حق بجانب ہیں کہ حدیث خیر القرون میں ''بدعت اور احداث کا کوئی ذکر نہیں ہے'' جسے گکھڑوی صاحب ''نہ سہی'' کہکر مان رہے ہیں۔ نیز یہ گکھڑوی کا اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے پاس انکے دعویٰ کی واقع میں کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ انہوں نے محض کھینچا تانی سے ادھر ادھر کی ہانک کر گزارا چلایا اور ٹائم پاس کیا ہے اسی لیئے وہ فارمولا بتاتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ایک بات زبردستی ادھر سے کشید کرلو دوسری ادھر سے لے لو کام چل جائے گا جس کیلیئے ہینگ اور پھٹکڑی لانے لگانے اور مزید کوئی زحمت اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ اس طرح سے بآسانی کشتہ تیار ہوجائے گا جو واقعی ان پر ان کی امت کے حکیم تھانوی صاحب کا زبردست فیضان ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

جهل مرکب : باینہمہ گکھڑوی نے اپنی اس جاہلانہ بڑ کو علم ہی نہیں علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین سے تعبیر کرتے ہوئے رندوں میں شامل اور مست ہوکر یہ گیت گانا بھی

شروع کر دیا ہے کہ:

تیرے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی ☆ ہوا علم الیقین عین الیقین حق الیقین ساقی

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۴)

گویا انہوں نے یہ تصور کر لیا ہے کہ یہ علمی میدان اور بحث کے اکھاڑے کی بجائے ناٹک کی محفل ہو۔

یہ ہے علم و تحقیق کے بلند بانگ دعوے کرنے والے اپنے تیئں "محقق اعظم" کی تحقیق و دلائل کا معیار۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔ بے ساختہ نوک قلم پر آتا ہے کہ:

آنکس کہ نداند و بداند کہ مے داند　　ابد الدھر در جہل مرکب مے ماند

متفرقات عنوان ھذا

حدیث ''لادری مابقائی فیکم'' **سے جواب** : اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے حدیث ''لادری مابقائی فیکم'' کو ضمنی طور پر پیش کر کے ضمناً علم نبی ﷺ پر بھی اعتراض کیا ہے۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۳۶)

اقول : اسکا مکمل مع مالہ وما علیہ رد تو انشاء اللہ، موصوف کی اس موضوع کی کتاب ''ازالۃ الریب'' کے جواب میں آئے گا سر دست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اسمیں ''لادری'' ہے لا اعلم نہیں جبکہ علم ودرایت میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ پھر اگر اسے وفات خود کا علم نہ ہونے پر محمول کیا جائے تو یہ ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے ٹکرا جائے گی جو قطعی طور پر علم کے ثبوت کی دلیل ہیں جیسے سیدہ زہراء (صلوات اللہ وتسلیماتہ علیٰ ابیھا وعلیھا) کی وہ حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں کان میں ایک بات بتائی تو وہ رونے لگیں پھر ایک اور بات بتائی تو وہ ہنسنے لگیں۔

نیز حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ (جنکی مکمل تفصیل ہماری کتاب علم النبی ﷺ میں بھی ہے نیز ازالۃ الریب کے رد میں بھی آئے گی)۔

علاوہ ازیں پیش نظر (مبحث فیہ) روایت کا ظاہر ترجمہ ان سیٹ ہے۔ غور فرمائیں ''لادری ماقدر بقائی فیکم'' کے بعد یہ فرمانا کہ ''فاقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر'' میں کوئی مناسبت نہیں۔ پس اسکا جز اول پر مبنی محاورہ لگتا ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے چلے جانا ہے لہٰذا ہم تمہیں وصیت کرتے ہیں کہ ہماری وفات کے بعد تم نے ابوبکر وعمر کی

پیروی کرنی ہے۔اس سے بھی قطع نظر کرلیجائے تو کم ازکم اس سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے وقت علم تھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے قبل آپ کی اور انکی وفاتیں آپ کی وفات کے بعد ہونگی۔ نیز یہ کہ ان میں بھی ترتیب وار پہلے وفات حضرت ابوبکر کی ہوگی پھر انکے بعد حضرت عمر کی ہوگی۔پس یہ حدیث علم نبی ﷺ کی روشن دلیل ہوئی۔اگر معاذ اللہ علم نہ ہوتا تو مشروط طور پر یوں فرمایا جاتا کہ اگر میری وفات ہوجائے تو تم ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی پیروی کیجئے گا۔ ولکن اذ لیس فلیس

صحابہ کو معیار حق ماننے کے گکھڑوی دعویٰ کی حقیقت :

صفحہ ۳۶۔۳۷ پر گکھڑوی صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ انکے نزدیک صحابہ کرام حجت، حق کا معیار اور پیمانہ ہیں (وغیرہ)

اقول : اس دعویٰ کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اسمیں کچھ صداقت ہے جسکی مکمل تفصیل کتاب ہذا کے آخری باب کے کئی مباحث کے ضمن میں آرہی ہے۔سردست اتنا کافی ہے کہ صحابہ کرام نے سید عالم ﷺ کی آمد پر آپ کا والہانہ استقبال کیا اور جلوس نکال کر یارسول اللہ کے نعرے بھی لگائے (صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۴۱۹ طبع کراچی) نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی سنکر اسے اہل سنت کے معروف ومروج طریقہ کے مطابق چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا (رواہ الامام الدیلمی فی مسند الفردوس وقال العلامۃ علی القاری فی کتاب موضوعات الکبر ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ عنہ) جبکہ یہ گکھڑوی صاحب اور انکی جماعت کے نزدیک شرک و بدعت کا درجہ رکھتے ہیں جنھیں انہوں نے راہ سنت میں بھی گناہ اور بدعت قرار دیا ہے۔علاوہ

ازیں اس مقام پر وہ تمام صحابہ کو معیار کہہ رہے ہیں جبکہ صفحہ ۴۲ پر انکے حجت ہونے کیلئے انکی اکثریت کی شرط لگائی ہے۔ جس سے ان کے اس دعویٰ کی اصل حقیقت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

ع ذرا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

گکھڑوی جہالت : صفحہ ۴۰ پر گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے۔ ''حضرات خلفاء راشدین کی سنت اور حضرات صحابہ کرام کے اجماع کے بعد امت مرحومہ کے اجماع واتفاق کا درجہ ہے'' اھ۔ اسی طرح صفحہ ۲۸ پر بھی لکھا ہے۔

اقولُ : اس عبارت میں گکھڑوی صاحب نے حضرات خلفاء راشدین (صدیق اکبر فاروق اعظم سیدنا ذی النورین، شیر خدا اور امام حسن مجتبیٰ) رضی اللہ عنہم اجمعین کو صحابہ کرام کے زمرہ سے پھر ان سمیت تمام صحابہ کرام کو معاذ اللہ امت مرحومہ کے زمرہ سے خارج کر دیا ہے۔ جیسا کہ اورؔ، اورؔ کے عطف نیز تینوں کی درجہ بندی اور انہیں علیحدہ علیحدہ نام دینے سے ظاہر ہے جبکہ اسمیں ایسا کوئی لفظ بھی نہیں چھوڑا جو اس کا تدارک کرتا۔ اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے آیت ''کنتم خیر امة '' نیز حدیث ''انتم شهداء الله علی الارض '' کو بھی امت مرحومہ کے بارے میں بتا کر ا یکبار پھر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کو اس زمرہ سے خارج کر دیا ہے (والعیاذ باللہ) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت ہو یا یہ حدیث؟ انکے اولین مصداق حضرات صحابہ کرام ہی ہیں جن میں حضرات خلفاء راشدین سر فہرست ہیں جس کی واضح دلیل آیت وحدیث کے پس منظر اور سیاق وسباق بھی ہیں (ولا یخفی علی احدمن خدام القرآن والحدیث) نیز کنتمؔ اور انتمؔ کے مخاطب کے صیغے بھی اس پر شاہد عدل ہیں۔

نیز اس سے گکھڑوی کی علمی بے مائیگی بھی واضح ہوجاتی ہے کہ انہیں ہاتھ پاؤں

مارنے کے باوجود ایسی کوئی آیت یا کوئی حدیث نہیں مل پائی جسے وخالصۃً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنیوالی امت کے اجماع واتفاق کے حجت ہونے کے ثبوت میں لاتے۔

اعتراف حقیقت : اس سے بھی قطع نظر کر لیجائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل کردہ آیت اور وارد شدہ حدیث کے مضمون میں معنوی طور پر دیگر افراد امت کو شامل کر کے گکھڑوی صاحب نے ایک بار پھر اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت کیلئے بعینہ من وعن اور ہو بہو ایسی صریحی دلیل کا ہونا ضروری نہیں جس میں صراحت کے ساتھ اسکا نام لیکر اسکا حکم بیان کیا گیا ہو بلکہ اسی راہ سنت (صفحہ ۳۲) میں اسکا برملا اعتراف بھی انہوں نے کیا ہے۔ حیث قال : خلفاء راشدین کی سنت ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عمل کے ہو بہو موافق ہو اور اس سے ذرا بھر بھی مخالف نہ ہو۔ اھ

جس سے انکے اس پورے پیروپیگنڈہ کی عمارت زمین بوس ہو کر رہ جاتی ہے۔ (وھو المقصود)

سنت کا ایک اور گکھڑوی معنےٰ : صفحہ ۴۰ پر حاشیہ میں گکھڑوی صاحب نے ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''اسی جماعت کا چھوڑنے والا تارک سنت کہلاتا ہے (الیٰ) ترک سنت اسی جماعت سے نکلنے کا نام ہے''۔اھ

اقولُ : یہی گکھڑوی صاحب اپنی اسی کتاب میں صفحہ ۲۴ تا ۲۶ پر سنت بمعنی سنت رسول ﷺ لکھ آئے ہیں اور اسی کو بکثرت احادیث سے ثابت بھی کہا ہے اب وہ اسکا ایک اور معنےٰ لائے ہیں جو ترک جماعت ہے۔ اب شاید وہ ''اہل سنت وجماعت'' کا معنےٰ ''اہل سنت و سنت'' کریں گے یا لفظ جماعت کو یا لفظ سنت کو مقحم قرار دیکر ایک اور دیوبندیانہ بدعت نکالیں

گے اسی طرح صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے:

نفس سنت کا اطلاق عام حضرات صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کے قول و عمل پر بھی ہوتا ہے۔ اھ

بہر صورت اس سے انہوں نے اتنا ضرور مان لیا ہے کہ لفظ سنت کئی معانی میں مستعمل ہے لہذا اب انہیں مسئلہ بدعت میں ہیرا پھیری کرتے ہوئے اس فریب دہی سے باز آ جانا چاہئے کہ بس اسکا ایک ہی معنےٰ ہے یعنی اسکا فقہی معنےٰ۔

ابن تیمیہ گکھڑوی نظر میں : گکھڑوی صاحب نے اسمقام پر ''ابن تیمیہ'' کو متعدد مرتبہ ''شیخ الاسلام'' کے جلیل لقب سے ملقب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۰۔۴۱)

اقولُ : اس سے گکھڑوی صاحب کی تیموی خیالات سے ہم آہنگی کا پتہ چلتا ہے پس گکھڑوی نے اپنی اس کتاب میں یہ لکھنا کہ وہ وہابی نہیں، مسلمان ہیں (جیسا کہ کتاب کے اوائل میں اسکی مفصل بحث گزر چکی ہے) انکا محض ڈھونگ ہے ورنہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہکر انہیں اپنا امام گردانئے کا کیا مطلب؟ جبکہ فرقہ وہابیہ کے امام ابن عبدالوہاب نجدی کے جملہ نجدیانہ نظریات کا محور و مرکز بھی یہی ابن تیمیہ صاحب ہیں۔ نیز روضہء اقدس محبوب رب (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کی نیت سے سفر سعادت کو سفر معصیت قرار دینے والے بھی یہی بزرگ ہیں۔

اقرار علم غیب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم : گکھڑوی صاحب نے زیر بحث عنوان میں متفرق مقامات پر قرآن مجید نیز احادیث صحیحہ کثیرہ کے حوالوں سے حضور نبی کریم

ﷺ کیلئے عطائی علم غیب کا بھی اقرار کیا ہے جو اس قوم کی جانب سے پیش کی جانے والی آیات نفی سے جواب اور انکی کتاب ''ازالۃ الریب'' کی رد کیلئے بہت مفید ہے۔ اس حوالہ سے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:

صفحہ ۲۸۔۲۹ پر گکھڑوی صاحب نے سورۂ نور کی ایک آیت کے حوالہ سے لکھا ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات خلفاء راشدین کی خلافتوں سے متعلق اپنے محبوب کو انکے وقوع سے قبل بتا دیا تھا (ملخصاً)

نیز صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا۔

نیز صفحہ ۳۶ پر سورۂ توبہ کی ایک آیت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کے جملہ سابقین اولین مہاجرین وانصار صحابہ کرام نیز قیامت تک ہونے والے ان صحیح پیروکاروں کے خاتمہ بالخیر ہونے کی تفصیل بتادی تھی (ملخصاً)

نیز صفحہ ۳۷ پر متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ مستقبل کی یہ (غیب کی) خبر دی کہ کلمہ پڑھنے والے تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے بلکہ انکے انجام کی (غیب کی) خبر بھی عطا فرماتے ہوئے یہانتک بتادیا کہ انمیں سے جنتی صرف ایک ہوگا (اہلسنت و جماعت) باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ (ملخصاً)

نیز صفحہ ۴۲۔۴۳ پر کئی کتب حدیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ غیوب بھی پہلے ہی بتا دیئے کہ ۲۲۰ھ کے بعد سے قیامت تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کی شہادت قسم سے اور قسم، شہادت اور گواہی سے سبقت کرے گی۔ ان میں جھوٹ عام

ہو جائے گا، خیانت کریں گے۔ لائق امانت نہ ہوں گے اور ان میں موٹاپا خوب ظاہر ہوگا۔ کھا کھا کر خوب فربہ ہوں گے اور پیٹ کی فکر کی وجہ سے حلال وحرام کی تمیز ہی جاتی رہے گی۔ (ملخصاً)

نیز صفحہ ۴۸ پر صحیحین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے زمانہ صحابہ وتابعین اور تبع تابعین میں ہونے والی بعض جنگوں کی خبریں بھی (جو قطعاً غیب کی خبریں ہیں) ان کے رونما ہونے سے پہلے عنایت فرمائی تھیں۔ (ملخصاً)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تعداد قرون نیز معنی قرن کے حوالہ سے علامہ رامپوری اور علامہ نعیمی پر گکھڑوی اعتراضات کا محاسبہ :

اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے تعداد قرون نیز معنی قرن کے حوالہ سے بھی حسب عادت، صاحب انوار ساطعہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری امدادی (مرید و معتمد خاص حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) اور صاحب جاء الحق حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی (علیہ الرحمتہ) پر اپنے تئیں کچھ لاینحل اور فی الحقیقت تارعنکبوت سے بھی کمزور قسم کے اعتراضات کیئے ہیں جن کے جوابات بالترتیب حسب ذیل ہیں۔

اعتراض نمبر 1 یہ کہ تعداد قرون کو مشکوک بتایا جو صحیح نہیں :

چنانچہ گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کا ایک اعتراض حضرت مولانا رامپوری رحمتہ اللہ علیہ پر کیا ہے جو انکے لفظوں میں یہ ہے کہ:

''مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمران بن حصین کی روایتوں میں جو مسلم وغیرہ میں ہیں شک کے الفاظ آتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے قرن کے بعد دو قرن ذکر کیئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ذکر کیئے اب کیسے معلوم ہو کہ تین قرن خیر القرون ہونگے یا چار (محصلہ) انکے اصل لفظ بھی ملاحظہ کر لیجئے وہ فرماتے ہیں پس قرون ثلثہ کا قاعدہ بروایات صحیحہ مشکوک ٹھہرا (بلفظہ انوار ساطعہ صفحہ ۲۰) اھ بلفظہ الگکھڑوی

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۵۔۴۶)

الجواب : علامہ رامپوری امدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ گکھڑوی کی نقل کردہ اپنی اس عبارت میں گکھڑوی صاحب کے بزرگواروں میں سے کسی سے مسئلہ ہذا میں کوئی الجھن دور نہیں کرانا چاہتے جیسا کہ گکھڑوی صاحب نے انکی عبارت کو توڑ موڑ کر پیش کر کے یہ تأثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے توڑ موڑ کی نشاندہی گکھڑوی صاحب کے لفظ (محصلہ) سے بھی ہوتی ہے۔ نیز اصل کتاب کے مطالعہ سے بھی اسکا اندازہ کیا جا سکتا ہے جبکہ بفضلہٖ تعالیٰ انکو اس کی کچھ حاجت بھی نہ تھی۔ کیونکہ وہ واقع میں اپنے جملہ مدمقابلین سے اعلم ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت حاجی صاحب کے اصل مرید اور انکی روحانیت کے صحیح وارث وامین ہونے کے باعث بہت صفاء باطن کے حامل بھی تھے بلکہ اس سے انکا مقصود دراصل یہ بتانا ہے کہ مانعین میلاد شریف وغیرہ خصوصاً علامہ موصوف کے پیر بھائی کہلانے والے انکے مدمقابلین اور حضرت حاجی صاحب کے متخلفین کا نظریہ یہ ہے کہ شریعت محض وہی ہے جو تین قرون والوں سے صریحاً، بعینہ، بہ ہیت کذائیہ اور ہو بہو ثابت ہو جبکہ قرون کی تعداد نیز انکے مصادیق کے متعلق ائمہ شان کا خاصا اختلاف ہے جس سے انکے اس نظریہ کی بنیاد کا صحیح ہونا محل نظر ہی بلکہ کم از کم اسمیں اختلاف کرنے والے ان ائمہ شان کے نزدیک غیر ثابت ہونا لازم آتا ہے اور اسطرح سے یہ نظریہ ہی سرے سے باطل اور کم از کم مشکوک قرار پاتا ہے جو قطعاً درست اور بالکل بجا ہے کیونکہ شک کی وہ روایت عام کتابوں کی نہیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہیں پھر وہ انمیں سے کسی کے تفردات سے بھی نہیں بلکہ متفقہ علیہ ہیں جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں نیز وہ شک کا اظہار بھی نچلے رواہ نے نہیں بلکہ خود جلیل القدر صحابہ کرام نے فرمایا ہے اور وہ بھی اکا دکا نہیں بلکہ متعدد صحابہ کرام نے فرمایا ہے جو گزشتہ صفحات میں باحوالہ من وعن نقل کردی گئی ہیں انہیں ادھر ہی ملاحظہ کرلیا جائے

جنکے اعادہ کی حاجت نہیں کہ باعث طوالت ہے بلکہ اس سلسلہ کی بعض روایات میں شک کے بغیر چار قرون کا ذکر بھی وارد ہے وہ بھی گزشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہیں۔ لطف یہ کہ خود گکھڑوی صاحب کو بھی انمیں سے بیشتر سے کوئی انکار نہیں جیسا کہ انکی مذکورہ عبارت اعتراض سے بھی خوب ظاہر ہے نیز ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۶۔۴۷)

علاوہ ازیں حدیث فام (جس میں آپ ﷺ چار قرون (صحابہ، تابعین، اتباع اور تبع) کو مبارک قرار دیتے ہوئے انکی برکت سے انکے مختلف ادوار میں بالترتیب مسلمانوں کے جہادی دستوں کو فتح کے حاصل ہونے کی بشارت دی ہے) بھی اسکی واضح مؤید ہے۔ حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ طبع کراچی) خود گکھڑوی صاحب نے بھی اسکے بعض طرق کو بخاری مسلم کے حوالہ سے استناداً نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۸)

نیز علامہ رامپوری علیہ الرحمۃ اسمیں متفرد بھی نہیں ہیں بلکہ دیگر محققین نے بھی اسکا عندیہ دیا ہے چنانچہ علم حدیث میں فریقین کے مشترکہ استاذ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ارقام فرماتے ہیں۔

''دریں حدیث چہار مرتبہ مذکور شد اصحاب وتابعین واتباع وتبع اتباع وور روایتے از صحیح بخاری نیز در حدیث خیر القرون چہار مرتبہ واقع شدہ است'' یعنی اس روایت میں نیز صحیح بخاری کی ایک روایت میں بھی چار قرون کا ذکر وارد ہوا ہے۔ قرن اول صحابہ کرام، قرن دوم تابعین، قرن سوم اتباع اور قرن چہارم تبع اتباع۔ اھ

ملاحظہ ہو (اشعۃ اللمعات فارسی جلد ۴ صفحہ ۶۳۰ طبع سکھر وغیرہ)

معنے قرن میں اختلاف کا ثبوت :۔ قرون کے مصادیق کے

بارے میں اختلاف کا ثبوت دیگر متعدد ائمہ شان کی بکثرت عبارات کے علاوہ مشہور شارح حدیث شیخ الاسلام علامہ نووی علیہ الرحمتہ کی حسب ذیل عبارت بھی ہے۔ چنانچہ انکے لفظ ہیں:۔

واختلفوا فی المراد بالقرن ھھنا فقال المغیرۃ قرنہ اصحابہ والذین یلونھم ابنائھم والثالث ابناء ابنائھم الخ ۔

ملاحظہ ہو (نووی شرح مسلم جلد۲ صفحہ ۳۰۸_۳۰۹)

بلکہ اس سے خود گکھڑوی صاحب کو بھی انکار نہیں۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۷_۴۹)

اقولُ : **اماماصححہ العلامتہ التووی احدا من الاقوال فلایضرنا قطعاً لان الکلام لیس فی ترجیح بعضھا البعض بل فی ان ھذا ممااختلف فیہ الائمۃ وقد صرح بہ حیث قال "واختلفو" فافھم ولا تکن من الغافلین** (سعیدی بقلمہ)

ایک اور جواب : اس سے بھی قطع نظر اگر چوتھا قرن نہ بھی مانا جائے تو پھر بھی ہمیں یہ کچھ مضر اور گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک کسی امر کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق زمانہ یا اہل زمانہ قطعاً حاکم نہیں بلکہ یہ امر اصول وقواعد شرعیہ پر موقوف ہے اور نہ ہی حدیث خیر القرون سے مقصود زمانہ یا اہل زمانہ کو حاکم شرعی قرار دینا ہے بلکہ اس سے مقصود زمانہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام سے انتہائی قرب کے باعث ان زمانوں کے لوگوں پر بعد والے زمانوں کے برعکس نیکی اور تقویٰ کے غالب ہونے کی خبر دینا ہے یہی وجہ ہے کہ ان

زمانوں والوں کے مراتب برابر نہیں بلکہ ہر پہلے زمانہ والے بعد کے زمانہ والوں سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں۔ اگر ان کو شارع کا درجہ دینا مقصود ہوتا تو ان کا مرتبہ بھی برابر ہوتا۔ نیز صحابہ کرام کے بعد والے حضرات کا محدثین کی جرح سے بالاتر نہ ہونا بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔ اسی بناء پر بعض احادیث میں صرف دو بلکہ بعض میں صرف ایک قرن کا ذکر بھی آیا ہے جو اسی فلسفہ پر مبنی ہے۔ مثلاً ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ارشاد ہے: ''لا تمس النار مسلماً رانی اورای من رانی'' (مشکوۃ مع مرقاۃ جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۸ طبع ملتان)

اس میں صرف دو قرون کی فضیلت وارد ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ (جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۸ حدیث نمبر ۱۲۴۶۳ طبع کراچی) اور مجمع الزوائد (جلد ۱۰ صفحہ ۲۰) میں (بحوالہ طبرانی) حضرت واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لاتزالون بخیر مادام فیکم من رانی وصاحبنی واللہ لاتزالون بخیر مادام فیکم من رای من رانی وصاحب من صاحبنی''

اس میں بھی صرف دو قرون کا ذکر ہے اور لفظ ''خیر'' بھی مذکور ہے۔ نیز صحیح مسلم (جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ طبع کراچی) اور مصنف ابن ابی شیبہ (جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۵ حدیث ۱۲۴۵۶ طبع کراچی) میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ''انا امنة لاصحابی فاذاذھبت انا اتی اصحابی مایوعدون واصحابی امنة لامتی فاذاذھب اصحابی اتی امتی مایوعدون'' (واللفظ لمسلم)

اس میں صرف قرن صحابہ کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں صرف صحابہ کرام کے فضائل کی دیگر احادیث صحیحہ کثیرہ بھی مانحن فیہ کی دلیل ہیں۔ تو کیا اب گکھڑوی صاحب دوسرے تیسرے

قرن کا بھی انکار کر کے ان احادیث پر بھی ہاتھ صاف کر دیں گے۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بلکہ قدرت نے یہ حقیقت خود گکھڑوی صاحب کے قلم سے بھی تسلیم کرادی ہے چنانچہ حدیث خیر القرون کی ابحاث کے ضمن میں ایک مقام پر انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

''اس میں شک نہیں کہ پہلے قرن جیسی خیریت دوسرے میں نہ تھی اور دوسرے جیسی تیسرے قرن میں نہ تھی مع ہذا فی الجملہ قرون ثلاثہ خیر القرون ہی تھے'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۵)

علاوہ ازیں ایک اور مقام پر ان کرون کے بارے میں عبارات علماء کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق انہوں نے اہم اور عمدہ کڑی کو بیان کر دیا ہے''

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۶)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

اقول: اسکی مزید تفصیل مع مالہ و ماعلیہ گزشتہ صفحات میں ''حدیث خیر القرون کا صحیح مفہوم'' نیز ''حدیث ہذا گکھڑوی دعویٰ کی دلیل نہیں'' کے عنوانات کے تحت گزر چکی ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیه فلیر جع الیه۔

فائدہ عظیمہ (پانچ قرون والی روایت): بعض روایات میں پانچ قرون کا ذکر بھی وارد ہوا ہے اور اسمیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے خیر ھذہ الامتہ

القرن الذین بعثت انا فیھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم یعنی اس امت کا سب سے افضل حصہ وہ لوگ ہیں (۱)۔ جن میں میری بعثت ہوئی (۲)۔ پھر انکے بعد والے (۳)۔ پھر انکے بعد والے (۴)۔ پھر انکے بعد والے (۵)۔ پھر وہ جو انکے بعد آئیں گے۔

ملاحظہ ہو (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ مکۃ المکرّمۃ و بیروت)

اقول : ہمارے نزدیک اسمیں کچھ الجھن نہیں کیونکہ قرن صحابہ کی دو جہتیں ہیں ایک وہ جس میں انہیں آپ ﷺ کی معیت ظاہرہ حاصل رہی اور دوسری وہ جو آپ علیہ السلام کی ظاہری وفات کے بعد ہے اس حوالہ سے اسے دو قرون سے تعبیر فرمایا گیا۔ اسکے بعد تابعین پھر اتباع اور پھر تبع اتباع کا قرن ہے اور یہ حدیث چار قرون کے ثبوت کی ایک اور دلیل ہے یہ توجیہ تھوڑے سے تامل سے ذہن میں آئی بجاہ حبیب اللہ الکریم ﷺ وببرکتہ مشائخی العظام علیھم الرحمۃ والرضوان الیٰ یوم القیام والحمد للہ مولیٰ الانعام۔

حافظ ابن حجر کے حوالہ سے حدیث فام پر اعتراض کا جواب :

رہا حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب کا یہ اعتراض کہ:۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں وفی روایۃ مسلم ذکر طبقۃ رابعۃ وھی روایۃ شاذۃ واکثر الروایات یقتصر علی الثلاثۃ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲) مسلم کی ایک روایت میں چوتھے طبقہ کا ذکر بھی آیا ہے مگر وہ روایت شاذ ہے اور اکثر روایات میں صرف تین ہی طبقوں کا ذکر آتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ...... چوتھے طبقے کا ذکر جس روایت میں آیا ہے وہ

حضرات محدثین کے امام کے نزدیک معلول اور شاذ ہے..... اور شاذ روایت خود متروک اور ناقابل احتجاج ہوگی اھ بلفظہ ملخصاً......؟

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۹)

تو اسکے جواب میں عرض ہے کہ

اولاً: گکھڑوی صاحب اپنے ان الفاظ میں ایک فرد کے فیصلہ کو تمام محدثین کا فیصلہ قرار دے رہے ہیں جیسا کہ ان کے ان لفظوں سے ظاہر ہے ''چوتھے طبقے کا ذکر جس روایت میں آیا ہے وہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک الخ''۔ جوانہی کا حصہ ہے جس پر انکے اپنے یہ الفاظ پوری طرح صادق آتے ہیں۔

''ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند'' (راہ سنت صفحہ ۴۷)

ثانیاً: یہ وہی حافظ ابن حجر ہیں جن کے متعلق انکے ایک شاگرد خاص اپنی کتاب نور الصباح میں جگہ جگہ یہ جارحانہ لفظ استعمال کئے ہیں کہ ''حافظ ابن حجر کی ایک عبارت میں تین بڑی غلطیاں''۔ ''حافظ ابن حجر نے بالکل الٹا بیان کیا''۔ یہ بھی حافظ ابن حجر کی غلطی ہے''۔ حافظ ابن حجر کی ایک عبارت ہو ایک اور غلطی۔ حافظ ابن حجر کا یہ اعتراض غلط ثابت ہوا۔ معلوم نہیں کہ حافظ ابن حجر کے پاس حدیث پرکھنے کا کون سا آلہ ہے''۔ جو حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہو اس پر کوئی نہ کوئی جرح کر ڈالتے ہیں''۔ حافظ ابن حجر کی یہ پانچویں غلطی ثابت ہوئی''۔ حافظ ابن حجر کی یہ سخت غلطی ہے''۔ عجیب بات ہے کہ حافظ ابن حجر ان سے بلاوجہ تصنیف نقل کرتے ہیں''۔ یہ غلطی ان کی جلد بازی کا نتیجہ ہے جو ان سے سرزد ہوئی''۔ حافظ ابن حجر پر بہت افسوس آتا ہے کہ الخ۔

علامہ.... نے حافظ ابن حجر کی خوب خبر لی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں وقد اخطافی ذالک خطا لانرضاہ" یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے (وغیرہ وغیرہ)

ملاحظہ ہو (نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح صفحہ ۳۶_۳۷_۴۱_۶۶_۱۰۷_۲۱۵_۲۱۶_۲۲۵)

جس پر خوش ہو کر گکھڑوی صاحب کتاب مذکور کا پیش لفظ لکھا اور اسے سمجھانے یا کم از کم اپنی نام کی راہ سنت کو بچانے کی غرض سے ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے اپنے اس برخوردار کی خوب حوصلہ افزائی کی اور اس سب کو پڑھ کر اسے تھپکی دیتے ہوئے یوں اظہار خیال کیا ہے کہ "ایسے مختصر رسالہ میں اتنے ٹھوس حوالے اور قیمتی مواد بہت کم کتابوں میں آپ کو یکجا مل سکے گا"۔ مزید لکھا ہے۔ یہ کتاب خالص علمی معلومات افزاء اور پر مغز حوالوں سے لبریز ہے جس میں اصل مسئلہ کے علاوہ اسماء الرجال اور باحوالہ اکابر علماء کی علمی اغلاط کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر احتجاج کرنے والوں پر سیخ ہو کر انہیں صلواتیں سناتے اور اپنے اس سپوت کو اعزازی سند دیتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "اس علمی تنقید سے اگر کوئی متعصب یا کوڑ مغز یہ نتیجہ اخذ کرے کہ اکابر علماء یا مسلم شخصیتوں کی توہین و تنقیص کی گئی ہے تو بالکل غلط ہوگا"

ملاحظہ ہو (پیش لفظ نور الصباح صفحہ ۱۲_۱۴_۱۵ طبع مدنی کتب خانہ گوجرانوالہ مطبوعہ نومبر ۱۹۸۶ء)

فاقول : جس شخصیت کو گکھڑوی صاحب خود اپنے لیئے حجت نہیں مانتے اور انہیں انتہائی غیر ذمہ دار جلد باز اور غلطیوں پر غلطیاں کرنے والا، وہمی اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں اور جن کا کارگزاریوں پر انہیں "بہت افسوس آتا ہے" اچانک انکی حیثیت آیت یا حدیث والی

کیونکر بن گئی اور یکا یک وہ ان پر کس وجہ سے ''بہت خوش ہوگئے ہیں؟ ''کہیں میٹھا ہپ کڑوا تھو' والا معاملہ اور ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے' ولا ماجرا تو نہیں؟

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

ثالثاً: حق یہ ہے کہ حدیث فام کسی طرح سے خصوصاً مغوی حوالے سے قطعاً شاذ نہیں کیونکہ اس پر شاذ کی تعریف صادق نہیں آتی کچھ تفصیل اسکی یہ ہے کہ کسی روایت کے شاذ ہونے کیلئے بعض ائمہ نے مخالفت اوثق کی قید لگائی ہے جسے امام ابویعلیٰ الخلیلی وغیرہ۔

ملاحظہ ہو (تدریب الراوی جلد صفحہ بحث الشاذ طبع)

پیش نظر روایت نہ تو دوسری کسی روایت (حسب بالا) کے خلاف ہے اور نہ ہی بے معاضد ہے کیونکہ اس مضمون کی کسی بھی صحیح حدیث میں تین قرون سے زائد کی نفی یا تین کا حصر صریحاً ثابت نہیں (ومن ادعیٰ فعلیه البیان) نیز اسکی معاضد روایات بھی موجود ہیں جیسے روایت حضرت بریدہ وغیرھا) جنکی تفصیل ابھی چند سطور پہلے گزر چکی ہے۔

اگر گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں اوا سے شاذ ہی کہنے پر ڈٹے رہیں تو انہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ جن احادیث صحیحہ کثیرہ میں صرف صحابہ کی فضیلت وارد ہے بالفاظ دیگر صرف ایک قرن یا دو قرون کا ذکر ہے جو باحوالہ کچھ پہلے ابھی گزری ہیں اور جن کا صحیح اور حجت ہونا خود گکھڑوی صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ (ملاحظہ ہو راہ سنت صفحہ ۵۶) تو کیا اب وہ بھی ان کے اس اصول کی رو سے شاذ مہرود متروک اور معلول قرار پائیں گی؟ بہر صورت تسلی بخش علمی و تحقیقی جواب درکار ہے۔

رابعاً: یہی وجہ ہے کہ علامہ علی القاری الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ

علیہ کے اس قول کو درخود اعتناء نہیں سمجھا بلکہ انکے برعکس حدیث فام میں چوتھے طبقہ کے ذکر کے صحیح ہونے کو موجہ مانا اور اسکے درست ہونے کا واضح عندیہ دیا ہے چنانچہ اسکے بارے میں انہوں نے ارقام فرمایا ہے کہ'' قال ابن حجر هذه رواية شاذة و اكثر الروايات مقتصرة على الطبقات الثلث و لما كان اهل الخير نادرا فى القرن الرابع اقتصر على القرون الثلثة فى اكثر الروايات لكثرة اهل العلم و الصلاح فيهم و قلة السفه و الفساد منهم''

یعنی حافظ ابن حجر نے اکثر روایات میں تین طبقات کے ذکر کو دیکھ کر اس روایت کو شاذ قرار دے دیا ہے جو کہ اسکی اصل وجہ اس طبقہ (چوتھے قرن) میں اہل تقویٰ و دیانت کی قلت کی بناء پر ہے اور تین قرون کا زیادہ ذکر انکی نیکی اور تدین کی کثرت کی بناء پر ہے اھ

ملاحظہ ہو (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ صفحہ ۲۷۵ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

نیز اشعۃ اللمعات (ج ۴ صفحہ ۶۳۰) کی یہ عبارت مع ترجمہ بھی کچھ پہلے گزری ہے کہ دریں حدیث چہار مرتبہ مذکور شد اصحاب و تابعین و اتباع و تبع اتباع۔ و در روایتے از صحیح بخاری نیز در حدیث خیر القرون چہار مرتبہ واقع شدہ است'' اھ

یہ بھی مانحن فیہ کی واضح دلیل ہے کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی علامہ علی القاری رحمہ اللہ کی طرح حافظ ابن حجر علیہ الرحمتہ کے اس قول کو معتمد نہیں گردانا نیز یہ بھی واضح رہے کہ گکھڑوی صاحب حضرت علامہ القاری قدس سرہ کو اپنا مقتدا اور پیشوا ہونا مان چکے ہیں جیسا کہ انہیں بر سبیل غلط اپنا اہم عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے اپنے رسالہ'' ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضر ناظر'' میں تسلیم کیا

ہے جسکا مکمل جواب اسکے رد میں زیر تحریر ہمارے علیحدہ رسالہ میں ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر گکھڑوی صاحب انہیں اپنا مقتدا مانتے ہیں تو حافظ ابن حجر کی اس عبارت کی بجائے علامہ علی القاری کی عبارت پر اعتماد کریں اور اگر وہ اس سے دستبردار ہوتے ہیں تو اپنے اس رسالہ (مذکورہ) سے بھی رجوع کریں

من نگویم ایں کن وآں مکن　　مصلحت بین وکار آساں

امام مسلم کے حوالہ سے اس پر اعتراض کا جواب :

رہا گکھڑوی صاحب کا اس پر مزید یہ اعتراض کہ:

''امام مسلم نے درجہ دوم میں بطور متابعت پیش کیا ہے'' نیز ''امام مسلم کے اس قاعدہ کے لحاظ سے تین قرن والی روایت بالکل صحیح ہے اور جن روایتوں میں چار قرنوں کا ذکر ہے وہ راویوں کے وہم اور انکی غلطی پر محمول ہیں'' اھ ملخصاً بلفظہ؟

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۶ـ۴۹)

تو یہ بھی انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ

اولاً: اسمیں کم از کم اس امر کا کھلا اعتراف ہے کہ یہ روایت موضوع نہیں۔

ثانیاً : محققین احناف کا اس پر اعتماد (جسکی تفصیل ابھی گزری ہے) بھی گکھڑوی نظریہ ہذا کی کھلی نفی ہے۔

ثالثاً: اسکے متعدد موید اد موجود ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

رابعاً: چوتھا قرن ماننے نہ ماننے سے اصولی طور پر اہل سنت کے قاعدہ جواز وعدم جواز پر کوئی زد نہیں پڑتی نیز حدیث خیر القرون سے مقصود محض ان قرون پر نیکی کے غالب ہونے

کو بیان کرنا ہے نہ کہ انہیں شارع کی حیثیت دینا۔لہٰذا اس واویلا کا بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔(وہوالمقصود) والحمدللہ المعبود

صحابہ کرام کے متعلق جارحانہ طرز کلام پر احتجاج :

باقی گکھڑوی صاحب کو یہ کہنا کہ ''وہ راویوں کے وہم اور انکی غلطی پر محمول ہیں ''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں سخت سوء ادبی ہے جسکی جتنی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ راویوں سے مراد خود انکی تصریحات کے مطابق بھی نچلے رواۃ نہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام ہی ہیں چنانچہ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

''حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران بن حصین کی روایتوں میں مسلم وغیرہ میں ہیں شک کے الفاظ آتے ہیں'' ملاحظہ ہو(راہ سنت ۴۵)

نیز صفحہ ۴۶۔۴۷ پر اسکی طویل بحث کے ضمن میں لکھا ہے۔ بخاری میں حضرت عمران سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں'' معلوم ہوا کہ گکھڑوی صاحب نے وہم اور غلطی کے یہ الفاظ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق استعمال کئے ہیں جس پر ہم از خود کچھ تبصرہ کرنے کی بجائے اسے انہی کے ہم عقیدہ حضرات کی معروف تنظیم کے ذمہ دار باوقار حضرات کے فیصلہ پر چھوڑتے ہیں اور انصاف کے طالب ہیں۔

اعتراض نمبر 2 (کہ قرن کے معنیٰ میں اختلاف بتایا جو درست نہیں):

گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کا دوسرا اعتراض حضرت مولانا عبدالسمیع رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

حدیث میں لفظ قرن واقع ہوا ہے اور یہ بہت معانی میں مشترک ہے قرن سید القوم کو بھی کہتے ہیں بعض نے قرن بمعنی زمانہ لیا پھر اسمیں بھی اختلاف ہے کہ ایک قرن کتنی مدت کا ہوتا ہے۔ دس، چالیس، ستر، سویا ایک سو بیس برس کا سب اقوال ہیں جوانکی اصولی اور کھلی غلطی ہے کیونکہ صحیح حدیث میں اسکی تعیین مذکور اور ثابت ہے جبکہ وہ خود مانتے ہیں بعض حدیثیں شرح ہوتی ہیں بعض کی (ملخصاً)

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۷۔۴۸)

الجواب: نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے علامہ موصوف رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت ادھوری پیش کی ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس کے بغیر انکی مطلب برآری ممکن نہیں حالانکہ انہوں نے پوری دیانتداری سے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اور کہا بعضوں نے اس لفظ سے کہ اول صحابہ ہیں دوسرے تابعی ہیں تیسرے تبع تابعی ہیں''

ملاحظہ ہو (انوار ساطعہ صفحہ ۲۲ طبع مطبع مجتبائی دہلی و پاکستان لاہور)

نیز علامہ موصوف نے اسے بے حوالہ بیان نہیں فرمایا بلکہ گکھڑوی صاحب کی نامکمل نقل کردہ بالا عبارت کے آخر میں انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمادی ہے: ''یہ سب اقوال شرح مسلم میں موجود ہیں''

ملاحظہ ہو (انوار ساطعہ صفحہ نمبر ۲۲ سطر نمبر ۱۱۔۱۲ طبع مذکور)

نیز اسمیں انہوں نے اپنا مدعا بھی واضح فرمادیا ہے چنانچہ اسی عبارت میں یہ بھی روز روشن کی طرح واضح موجود ہے کہ ''پس لفظ قرن مشترک ٹھہرا معانی کثیرہ میں اور لفظ مشترک

نہیں فائدہ دیتا قطع اور یقین کو' (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲ سطر نمبر ۱۲-۱۳)

جو بالکل درست اور بجا ہے کیونکہ ان ائمۃ شان نے قرن کے یہ معانی حدیث خیر القرون ہی کے حوالہ سے لکھے ہیں جن کے سامنے انکی خداداد وسعت علمی کے پیش نظر حدیث ہذا کے جملہ طرق تھے پس وہ کم از کم انکے نزدیک کسی ایک معنی میں غیر متعین نہ ہونے کے باعث غیر قطعی تھا۔

اتنا سی بات تھی اندیشہ عجم نے جسے بڑھا دیا فقط زیب داستاں کیلئے

یہ تو باور نہیں کیا جاسکتا کہ گکھڑوی صاحب نے اسے پوری طرح پڑھا نہیں یا علامہ کے مدعا کو سمجھ نہیں پائے۔ لہٰذا یہ امر متعین ہو گیا کہ انہوں نے عمداً اور جان بوجھ کر محض اپنی مطلب برآری کیلئے یہ ہاتھ کی صفائی دکھائی ورنہ

ع کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

علامہ رامپوری پر گکھڑوی ہٹ کا جواب: اسمقام پر گکھڑوی صاحب نے حضرت مولانا علامہ عبدالسمیع رحمہ اللہ پر ہٹ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''مولوی صاحب کی بڑی نوازش ہے کہ انہوں نے قرن کے معنی قاموس سے سینگ اور زلف کے نہیں نقل کردیئے ورنہ ان کا کوئی کیا بگاڑ لیتا''

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۷)

اقول:

اولاً: گکھڑوی صاحب کا یہ اقرار ہے کہ علامہ صاحب موصوف کا یہ موقف فی الواقع درست اور مطابق واقعہ ہے کہ لفظ قرن واقعی کثیر المعانی ہے۔ نیز یہ اعتراف بھی کہ انہوں نے یہ

جواب محض بات بنانے کیلئے نہیں دیا اور نہ ہی قرن کے بے موقع و بے محل معانی نقل فرمائے ہیں ۔ نیز ایجاد بندہ کے طور پر بھی وہ انہیں نہیں لائے بلکہ انہوں نے مبحث فیہ امر سے متعلق بحث کو ائمہ فن ہی کے اقوال پر مرکوز رکھا ہے۔ سچ ہے

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

ثانیاً: علامہ موصوف تو لایعنی بحث سے باز رہے البتہ گکھڑوی صاحب نے یہ غیر متعلقہ معانی کسی نہ کسی طرح سے لکھ کر اپنے بحث برائے بحث والے مشن (مکابرہ ومظاہرہ) کی تکمیل کا فریضہ بہر حال سرانجام دے دیا ہے جو انہی کا حصہ ہے۔

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

اعتراض نمبر3 (یہ کہ قرن بمعنی زمانہ لیا جو بنیادی غلطی ھے)

گکھڑوی صاحب اس سلسلہ کا تیسرا اعتراض حضرت علامہ رامپوری اور حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں پر کیا ہے اور وہ یہ کہ ان حضرات نے انوار ساطعہ اور جاء الحق میں لکھا ہے کہ حدیث خیر القرون کے حوالہ سے اگر یہ مان لیا جائے کہ جو کچھ ان تین زمانوں میں ہوا ہو تو وہی سنت ہوگا تو لازم آئے گا کہ قدر وار جاء اور خروج و رفض بھی سنت قرار پائیں کہ یہ سب انہی تین زمانوں میں رونما ہوئے نیز امام حسین کا قتل اور حجاج کے مظالم سب انہی زمانوں میں ہوئے تو کیا ان کو بھی معاذ اللہ سنت کہا جائے گا؟

یہ دونوں صاحبان ایک اصولی غلطی کا شکار ہیں اور وہ یہ کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ احادیث خیر القرون میں قرن سے مراد زمانہ ہے اور خیر القرون سے صحابہ وتابعین اور اتباع کے تین زمانے ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ صحیح روایات کی رو سے خود آپ ﷺ نے قرن کا

معنی اہل زمانہ کیا ہے جبکہ زمانہ اور اہل زمانہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔(ملخصاً بتغیر یسیر
ملاحظہ ہو راہ سنت ۵۰، ۵۲)

الجواب : حقیت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری اور حضرت مفتی صاحب نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک حدیث خیر القرون میں قرن بمعنی زمانہ نہیں بلکہ بمعنی اہل زمانہ ہی ہے جس کی وضاحتیں وہ اپنے اپنے قلم سے خود بھی فرما چکے ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ رامپوری علیہ الرحمۃ مبحث فیہ حدیث کے متعلق اپنا عندیہ اور لب لباب بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"پس اصل مطلب حدیث یہ ہوا کہ سب آدمیوں میں اچھے میرے قرن کے آدمی ہیں پھران کے بعد والے پھر انکے بعد والے اور بعدان کے فاش طور پر کذب ظاہر ہوگا یعنی جس طرح قرون ثلثہ میں خیریت غالب تھی اسی طرح بعد کو کذب غالب ہوگا اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (انوار ساطعہ صفحہ ۳۰ لمعہ خامسہ طبع مطبع مجتبائی دہلی مطبوعہ ۱۳۴۶ھ)

نیز اسی (کے صفحہ ۲۵) میں ہے: حدیث مسلم میں ہے سئل رسول اللہ ﷺ ای الناس خیر قال قرنی الحدیث یعنی حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں کونسے آدمی اچھے ہیں؟ آپنے فرمایا: میرا قرن الیٰ آخرہ اھ

نیز حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں۔

"قرن اصلاح میں زمانہ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ والوں کو بھی جو بیک وقت موجود ہوں۔ یہاں قرن بمعنی اہل زمانہ ہیں۔یعنی ساتھی اس لیئے آگے ہے ثم الذین یلونھم اھ

ملاحظہ ہو (مراۃ شرح مشکوۃ ج ۸ صفحہ ۵۹۸ مطبوعہ

یہ عبارات اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہیں کہ دونوں حضرات اس امر کے قائل ہیں کہ حدیث خیر القرون میں قرن بمعنی اہل زمانہ ہی ہے جو محتاج بیان نہیں جنہیں گکھڑوی صاحب نے چھوا تک نہیں بلکہ شیر مادر کی طرح ہضم فرما اور صاف اڑا گئے۔

قرن بمعنی زمانہ لیکر اسکی تردید فرمانے کی وجہ :

باقی ان حضرات نے جو قرن بمعنی زمانہ لیکر اسکی تردید میں یہ لکھا ہے کہ غلبہ خیر کے معنٰے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرون اولیٰ میں جو کچھ ہوگا سب خیر ہوگا اس لیئے کہ تمام بدعتیں قدر وارجاء و خروج ورفض وغیرہ سب قرون ثلثہ ہی میں ہوئیں اور اوقات خیر القرون میں ہونے کے سبب ان کو، کوئی اہلسنت والجماعت خیر نہیں کہتا'' اھ (انوار ساطعہ صفحہ ۳۰)

یا یہ لکھا ہے کہ'' یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے؟ ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے تو کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جائے گا؟ اھ

ملاحظہ ہو (جاء الحق وزھق الباطل صفحہ طبع

تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ انکے نزدیک یہاں قرن بمعنی زمانہ ہے جسکی دلیل اسکے خلاف انکی اپنی تصریحات ہیں جو ابھی گزری ہیں بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے گکھڑوی صاحب کے جن اکابر یا ہم خیال لوگوں کے رد میں یہ کتابیں تحریر فرمائی ہیں وہ قرن بمعنی زمانہ لیتے تھے پس انکے جواب میں انہوں نے انہی کی بولی کو مدنظر رکھ کر گفتگو فرمائی جو عین حقیقت کی ترجمان ہے۔

چنانچہ انوار ساطعہ اکابر گلکھڑوی مولوی رشید احمد گنگوہی اور مسمی خلیل احمد انیٹھوی صاحبان کی کتاب براہین قاطعہ کے رد میں تحریر کی گئی تھی جبکہ براہین قاطعہ میں جگہ جگہ حدیث خیر القرون میں قرن بمعنی زمانہ ہی لیا گیا ہے اسکے صفحہ ۴۶ طبع ساڈھورہ وکراچی میں لکھا ہے کہ ''یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز وعدم جواز کی محدود بہ زمان ہے بعد قرون ثلثہ کے جو قاعدہ تجویز ہو وہ بہر حال مردود ہوگا'' اھ

اسی کی مانند صفحہ ۳۵۔۳۶ پر بھی لکھا ہے..................

بلکہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب رامپوری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسکی تصریح فرمادی ہے انکے لفظ ہیں۔ ''ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر ایسی حدیث معتبر ہمکو دو جسمیں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرون ثلثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہوگی اور جو عین قرون ثلثہ میں ایجاد ہوگی وہ سنت ہوگی اور اگر حدیث نہ ملے تو خاص یہی الفاظ جماعت اصحاب........ یا تبع تابعین کی زبانی ارشاد فرماتے ہوئے ہمکو دکھاؤ۔ معتبر اسناد سے معتبر کتاب سے۔ اس واسطے کہ جب تمہارے نزدیک اعتماد و استناد قرون ثلثہ ہی پر حصر ہو گیا چنانچہ براہین قاطعہ گنگوہی میں اسکی تصریح ہے عبارت یہ ہے صفحہ ۱۴۱ س ۲: یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز وعدم جواز کی محدود بزمان ہے بعد قرون ثلثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ بہر حال مردود ہوگا۔'' اھ

ملاحظہ ہو (انوار ساطعہ صفحہ ۲۱ طبع مجتبائی)

اور یہی پس منظر ہے عبارت جاء الحق کا کیونکہ وہ بھی اس تناظر میں لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب نے جواب دینے سے قبل وہابیہ کا جو اعتراض نقل فرمایا ہے اسمیں بھی

یہ تصریح موجود ہے کہ انکے مقرض نے قرن بمعنی زمانہ ہی لیا تھا۔

ولفظہ : "تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے" (جاء الحق صفحہ ۲۲۶)

پس اسکے باوجود گکھڑوی صاحب کا حضرت علامہ رامپوری اور حضرت مفتی صاحب پر دانت پیستے ہوئے اصولی غلطی، دوراز کار باتیں، ایجاد بدعات کا چور دروازہ نکالنے وغیرھا کے جو سخت الفاظ استعمال کیئے ہیں وہ انکے وسیع المطالعہ ہونے کے وصف کے محض لیبلی ہونے کی دلیل یا پھر انکی تلبیس اور ہاتھ کی صفائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ کس طرح سے چابکدستی اور چستی سے اپنا جرم انہوں نے دوسروں پر ڈالنے کا کرتب دکھایا ہے؟ پس یہ اصولی غلطی ہے تو انہی کے گنگوہی انبیٹھوی صاحب کی ہے دوراز کار باتیں ہیں تو بھی انہی کی ہیں۔ ایجاد بدعات کا چور دروازہ ہے تو بھی انہی کا بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح گکھڑوی صاحب نے اسی بنیاد پر ان حضرات کو جو خلاف سنت امور کے سنت قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے بدعت حسنہ کا غلاف پہنانے کی جو ہٹ کی ہے وہ بھی درست نہیں کہ یہ ان کا ایسا دعویٰ ہے جسکے اثبات میں مطلوبہ معیار کی شرعی دلیل کے علاوہ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ یہ "غلاف" بھی انکے مسلم اکابر ہی کا تیار کردہ ہے جسے خود گکھڑوی صاحب نے بھی اپنی اس کتاب (راہ سنت) سمیت کئی کتابوں میں اپنے کئی گستاخانہ بدعی وکفریہ تقویۃ الایمان وغیرھا نظریات پر ڈالنے کی مذموم سعی کی ہے لیکن جب مردہ بے ایمان ہو تو قبر کے چونا گچ ہونے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ مکمل تفصیل باب میں اپنے مقام پر آرہی ہے۔ سچ ہے

ع میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

گکھڑوی کے گستاخانہ انداز پر تنبیہ : اس ضمن میں اکابر پرستی کے جوش اور طیش میں آ کر گکھڑوی صاحب نے ایک جملہ گستاخانہ انداز میں بھی لکھ دیا ہے چنانچہ انکے لفظ ہیں۔

''یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ سائل تو ای الناس خیر کہتے ہوئے اہل زمانہ کی خیریت پوچھتا ہو اور جناب نبی کریم ﷺ اس کو زمانہ کی خیریت بتاتے ہوں۔ سوال از آسمان جواب از ریسماں۔ یہ کیا قصہ ہوا؟ اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۱)

اقول: ''سوال از آسماں جواب اس ریسماں'' کے یہ لفظ گکھڑوی صاحب رسول اللہ ﷺ پر چسپاں کر رہے ہیں۔ تف ہے اس قلم پر اور ہزار بار تف ہے اس گندے طرز بیان پر۔ نیز اس تلبیس پر بھی کیونکہ قرن بمعنی زمانہ لینا بھی گکھڑوی صاحب کے اکابر گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان کا کارنامہ ہے جیسا کہ سطور بالا میں اسکی تفصیل ابھی گزری ہے لہٰذا اب گکھڑوی صاحب اپنے ہی ان الفاظ میں انہی سے پوچھیں کہ کم فہمو! یہ کیا قصہ ہوا؟

عنوان ھذا کے بعض ضمنی مباحث

اقرار علم غیب عطائی : مبحث فیہ عنوان کے ضمن میں گکھڑوی صاحب نے بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث فام جس کی تفصیل ابھی گزری ہے کو استنادا نقل کیا ہے جو ان کا حضور ﷺ کیلئے عطائی علم غیب کا کھلا اعتراف ہو کر انکی مذہبی خودکشی کی بدترین مثال اور بقلم خود انکی کتاب ازالۃ الریب کی صریح تردید ہے جسے انہوں نے آپ ﷺ کی خداداد وسعت علمی کے خلاف تحریر کیا ہے۔ چنانچہ انکے لفظ ہیں:..................

"حضرت ابو سعید خضری (المتوفی ۷۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی ......پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک گروہ جہاد کرے گا........پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک طائفہ جہاد کرے گا اھ ملخصاً بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۴۸ بحوالہ بخاری جلد ا صفحہ ۵۱۵ و مسلم ج ۲ صفحہ ۳۰۸) ولنعم ماقیل

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

الٹا چور کو توال کو ڈانٹے :۔ حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی اور حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہا تعالیٰ نے حدیث خیر القرون کا ایک جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ قدری، جبری، مرجی، خارجی اور رافضی فرقے بھی انہی تین زمانوں میں ایجاد ہوئے تھے۔ اگر یہ اصول ہے کہ سنت وہی ہے جو ان تین زمانوں میں سے کسی میں ہو تو چاہے کہ یہ سب فرقے بھی سنت قرار پائیں جیسا کہ خود گکھڑوی صاحب نے بھی سیاق وسباق سے ہٹ

کر اسے نقل کیا ہے

ملاحظہ ہو(راہ سنت صفحہ ۴۹،۵۰)

گکھڑوی صاحب نے اسے ان دونوں حضرات کی اصولی غلطی اور ایجاد بدعات کا چور دروازہ قرار دیکر لکھا ہے کہ یہاں قرون بمعنی زمانہ ہے ہی نہیں بلکہ اھل زمانہ ہے۔

ملاحظہ ہو(راہ سنت صفحہ نمبر ۵۰ تا ۵۲)

جسکا مختصر جواب: یہ ہے کہ قرون بمعنی زمانہ لینے کی بقول گکھڑوی صاحب اس اصولی غلطی کا ارتکاب خود گکھڑوی صاحب کے بزرگوں (گنگوی وانبٹھوی وغیرھما) نے کیا ہے۔ علامہ امدادی اور علامہ نعیمی علیھما الرحمۃ نے نہیں کیونکہ وہ خود قرون بمعنی اھل زمانہ ہی کے قائل ہیں انہوں نے یہ بات محض آپکے ان بزرگوں کی زبان میں کی ہے جسکی باحوالہ تفصیل ابھی گزری ہے۔ لہذا چور دروازہ کے نکالنے کے مجرم بھی آپ ہی کے یہ بزرگان ہی ہیں جوانہوں نے اہل سنت کے معمولات کو ناروا طریقہ سے بدعات قرار دینے کے جرم سے بچ نکلنے کی غرض سے تلاش کیا تھا۔ بس اس سے گکھڑوی صاحب نے ہاتھ کی صفائی سے اپنا جرم دوسروں کے سر منڈھنے کی مذموم سعی کی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے۔ شاباش

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ سچ ہے

ع الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

بدعت حسنہ کی اصطلاح پر چوٹ پر ضرب کاری۔ اس ضمن میں گکھڑوی صاحب نے بدعت حسنہ کی اصطلاح پر چوٹ کرتے ہوئے حضرت علامہ امدادی اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیھما پر یہ ہٹ بھی کی ہے کہ "انہیں تاکہ............ بدعات

کی ایجاد میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور .... جس چیز کو چاہیں سنت یا کم از کم بدعت حسنہ کا

غلاف پہنا کر اس پر عمل کرتے رہیں اھ ملخصا بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۰)

اقول: گکھڑوی صاحب حسب اصول خود نیز ہمارے اصول کی روشنی میں بھی بدعا ت کے موجد اور بدعتی خود ہی ہیں جسکی بیسوں مثالیں گزشتہ سطور نیز کتاب ھذا کے حصہ اول میں گزر چکی ہیں اور ان گنت مثالیں آئندہ صفحات میں بھی آ رہی ہیں۔ جبکہ ہمارے علماء پر ایجاد بدعات کا الزام رکھنے میں بھی وہ قطعاً غیر صادق ہیں یہی وجہ ہے کہ اسقدر شدید واویلا کرنے کے باوجود وہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کسی قسم کی کوئی مطلوبہ میعار کی دلیل کے پیش کرنے سے کلی طور پر ناکام رہے ہیں اور نہ ہی وہ ایسی کوئی دلیل لا سکتے ہیں بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔

ع ہمیں گوی وہمیں میداں دیدہ باید۔

باقی جو نام کے دلائل انہوں نے دیئے ہیں وہ سب از قبیل مغالطات اور اصول موضوعہ سے انحراف پر مبنی ہیں جس کی مکمل تفصیل اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

رہے ان کے طنزیہ الفاظ "بدعت حسنہ کا غلاف"؟ تو اس کے بارے میں اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ وہ محض دفع وقتی سے کام لے رہے ہیں ورنہ "بدعت حسنہ" کے وجود کو تسلیم کر کے یہ غلاف وہ خود نیز ان سے قبل انکے پیشرو جناب گنگوہی صاحب بھی چڑھا چکے ہیں۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

چنانچہ گنگوہی صاحب کے لفظ ہیں: "جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے مگر یہ اصطلا

ح کا فرق ہے مطلب سب کا واحد ہے'' اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ نمبر ۱۲۷ طبع محمد علی دستگیر کالونی کراچی نمبر ۳۸)

نیز گکھڑوی صاحب اپنی اسی کتاب (نام کی راہ سنت صفحہ نمبر ۱۰۰۔۱۰۲) میں لکھ چکے ہیں کہ " کسی دلیل سے اسکا ثبوت ملتا ہو تو وہ بدعت حسنہ اور بالفاظ دیگر بدعت لغوی ہوگی جو مذموم نہیں ہے'' نیز جو حضرات اس تقسیم کے قائل نہیں (مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ) تو وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں''

سبحن اللہ۔ مناظر ہوں تو ایسے ہوں اگر ایک دو اس قسم کے مناظر اور بھی اس مذہب کیلئے وقف ہو گئے تو پھر ہمیں کچھ لکھنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔

یزید ، یزیدی اور گکھڑوی صاحب۔ حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے گکھڑوی صاحب کے بزرگوں کی زبان میں گفتگو فرماتے ہوئے۔ اس بحث میں مزید لکھا تھا کہ'' امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم انہی زمانوں میں ہوئے ،تو کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جائے گا''۔

ملاحظہ ہو (جاالحق صفحہ نیز راہ سنت صفحہ ۵۰)

گکھڑوی صاحب نے اسکا جو جواب لکھا ہے وہ بھی قابل دید ہے چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے صحابی، تابعی، تبع تابعی کی حد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''صحابی کی تعریف واضح ہے اس کی تشریح کی ضرورت ہی نہیں اور تابعی وہ ہوتا ہے جس نے صحابی کی اتباع کی ہو اور تبع اور تابعی وہ ہوتا ہے جس نے تابعی کی اتباع کی ہو۔ اگر تبع تابعی نے تابعی کی اتباع نہ کی تو وہ ہرگز تبع تابعی اور تابعی کہلانے کا مستحق نہیں ہے جیسا کہ صحابی وہ ہے

جس نے بحالت ایمان تا مرگ، آنحضرت ﷺ کی پیروی نہ چھوڑی ہو۔ جو آپ کے طریقہ سے ہٹ گیا وہ صحابی نہ رہا بلکہ مرتد اور منافق کہلایا'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۲)

اسکے بعد اپنے خصوم سے مطالبہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ ''اس بحث کو پیش نظر رکھ کر مولوی عبدالسمیع صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب سے پوچھئے کہ'' وہ کونسا تابعی یا تبع تابعی تھا جس نے امام حسین کو شہید کیا اور حجاج کو مظالم کی اجازت دی؟'' اھ ملخصاً

بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۲)

اقول: اوّلاً گکھڑوی صاحب یہ بات اپنی اس بحث کو پیش نظر رکھ کر اپنے مقتدا گنگوہی صاحب اور اپنے پیشوا انبیٹھوی صاحب ہی سے پوچھیں کیونکہ یہ سب انکے انہی مشائخ کا کیا دھرا ہے علامہ امدادی اور علامہ نعیمی علیہ الرحمتہ نے تو صرف انہی کی زبان میں ان کا احتصاب فرمایا ہے (کمامرآنفاً)

ثانیاً: گکھڑوی صاحب نے اس سے کم از کم یہ ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کرلیا ہے کہ امام مظلوم حضرت شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل ناحق میں ملوث یزید علیہ مایستحقہ، قطعاً تابعی کہلانے کا مستحق نہیں جس سے انہوں نے اپنے ہم عقیدہ ان متعدد دیوبندی اور غیر مقلد علماء کی بھی تغلیط بلکہ تجہیل و تحمیق بھی کردی ہے۔ جنہوں نے حمایت یزید میں انتہا کرتے ہوئے یزید پلید کو تابعی قرار دیکر اسکے حق میں ''رضی اللہ عنہ'' کے معزز الفاظ کو درست وصواب بلکہ ثواب گردان کر اسکی بے جا قصیدہ خوانی کا ارتکاب کیا ہے جس کی تفصیل ان کی کتاب ''رشید ابن رشید'' مؤلفہ ابو یزید بٹ نیز ''خلافت معاویہ و یزید'' مؤلفہ محمود عبا

سی (وغیرھما) میں موجود ہے۔

گکھڑوی صاحب کادوھرا معیار: گکھڑوی صاحب نے صحابہ کے بارے میں تو یہ بے دھڑک لکھ دیا ہے کہ جوآپ کے طریقے سے ہٹ گیاوہ صحابی نہ رہا بلکہ مرتد اور منافق کہلایا (کمامر) لیکن کفریات کے مرتکب اپنے اکابر کوانہوں نے مرتد اور منافق قرار دینے کی بجائے انہیں تحفظ فراہم کیا ہے جودیگر کے علاوہ انکی کتاب عبارات اکابر سے ظاہر ہے۔ نہ معلوم اس اصول کووہ اپنے اکابر کی باری میں کیوں بھول گئے، کیاوہ اپنے ان اکابر کوصحابہ کرام سے کہیں بڑھ کرتو سمجھتے ہیں؟۔

لطیفہ (وہ کا): اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے کی تعریف کرتے ہوئے یہ لفظ لکھے ہیں کہ تابعی وہ ہوتا ہے۔ الخ (وقد مرایضاً)

نہ معلوم گکھڑوی صاحب نے معترف لہ کوغیر متعین رکھ کر یہ تعریف کس علم کی روشنی میں کی ہے؟

بالفاظ دیگر جس کوانہوں نے وہ کہا ہے وہ ہوتا کیا ہے اور یہ ابہام کس علم کی بناء پر ہے؟

حضرت مفتی صاحب کے مطالبہ سے پھلوتھی۔ وہابیہ (بانواعہا) حدیث خیرالقرون سے بھی یہ اخذ کرتے ہیں کہ سنت وہی ہے جوقرون ثلثہ میں ہوا ہو (کمالاتخفٰی وقدمرمراراً) اس پر حضرت مفتی صاحب نے تبصرہ فرماتے ہوئے اس کے قائلین کوللکار کر ان سے یہ مطالبہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں سنت ہونے کا لفظ کہاں ہے؟ جسے خود گکھڑوی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۲)۔ جوایک قطعاً بجا اور درست مطالبہ ہے۔ مگر گکھڑوی صاحب نے اسے پورا کرنے کی بجائے اس سے پہلوتہی کرتے

ہوئے صرف اس تنقید پر اکتفا کیا ہے کہ سبحن اللہ تعالیٰ کیا ہی نرالی اور عجیب مفتیانہ تحقیق ہے۔

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۲)

جو گکھڑوی صاحب کے سخت عجز اور صریح شکست کی واضح دلیل ہے اور اعلیٰ کوالیٹی کی گکھڑویانہ چالاکی بھی باقی انہوں نے اس سلسلہ میں روایت ''او صیکم باصحابی'' وغیرہ کے الفاظ سے جو استدلال کیا ہے وہ درست نہیں بلکہ محض ان کی سخن سازی ہے کیونکہ اس حدیث کی وہ غرض ہی نہیں جو انہوں نے بیان کی ہے (جس کی بحث گزر چکی ہے)۔

علاوہ ازیں اس سے گکھڑوی صاحب نے بھی یہ مان لیا ہے کہ استنباطاً بھی مسائل کا حل کافی ہوتا ہے ہر مسئلہ کیلئے بہ ھیئت کذائیہ اور صریحاً ثبوت کا ہو کچھ ضروری نہیں لہٰذا ''انما انا نور'' وغیرہ کی ایت کا دیوبندی مطالبہ خود ان کے اس بزرگی کے قلم میں خاک میں مل گیا۔ لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطالبہ جوں کا توں قائم اور گکھڑوی صاحب سمیت تمام علماء وہابیہ دیوبندیہ کے ذمہ قرض ہے جس کی ادائیگی تا حال ان پر فرض ہے (وھو المقصود)۔

سنت کی ایک اور گکھڑوی تعریف۔ گکھڑوی صاحب نے اس ضمن میں سنت کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ''خیر القرون کی حدیث سے اتباع کے متعلق وصیت کرتے ہوئے آپ نے سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی ہے کہ سنت اس راستے کا نام ہے جس پر یہ اکابر عمل پیرا رہے'' اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۳، ۵۴)

اقول۔ جواباً عرض ہے کہ جہاں تک سنت کے قابل اتباع بلکہ لازم الاتباع ہونے کا

تعلق ہے اس سے ہم میں سے کسی کو انکار نہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک البتہ حدیث خیر القرون کی یہ غرض بتانا کہ اس سے مقصود اہل قرون ثلٰثہ کی اتباع کو لازم قرار دینا مراد ہے اس طرح سے کہ وہ جو کریں سنت ہے جو نہ کریں وہ سنت نہیں محل نظر ہی نہیں نہایت درجہ غلط بھی ہے کیونکہ علی التحقیق اس سے مقصود قرون ثلٰثہ پر نیکی اور تقویٰ کے غالب ہونے کو بیان کرنا ہے جیسا کہ حدیث ھٰذا کی بحث میں نہایت ٹھوس دلائل کی رو سے (جس میں خود گکھڑوی صاحب کی عبارات بھی ہیں) مفصلاً گزر چکا ہے۔

لہٰذا سنت کی اس نرالی تعریف کی بنیاد خود گکھڑوی صاحب نے جس امر کو بنایا تھا وہ جب بے بنیاد ثابت ہوگئی تو اس سے گکھڑوی صاحب کا یہ سارا منصوبہ ہی غلط اور ناکام ہوکر رہ گیا۔

علاوہ ازیں اگر اس تعریف کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ بقول گکھڑوی صاحب ''ان اکابر'' کے وجود سے پہلے سنت کا وجود ہی نہ ہو جس کا غیر صحیح ہونا قطعاً محتاج بیان نہیں۔

نیز اہل قرون ثلٰثہ کے بعض افعال کا اور خصوصاً قرن دوم وسوم والوں کا ائمہء شان کے نزدیک روایت میں کلام اور جرح وقدح سے بالاتر نہ ہونا بھی گکھڑوی صاحب کی اس نرالی منطق کے نہایت درجہ غلط ہونے پر صاد کرتا ہے۔ (باقی جوابات کیلئے ملاحظہ ہو بحث حدیث خیر القرون)۔

خلاف واقعہ بیان : گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر لکھا ہے کہ ''بدعات کی تردید کی احادیث میں اس امر کو مبرھن کیا گیا ہے کہ خیر القرون کے خلاف جو کچھ ایجاد کیا

جائے گا جس کا تعلق دین سے ہو تو وہ بدعت بھی ہے اور مردود بھی'' اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۴)

اقول: گکھڑوی صاحب کا یہ قول خلاف واقعہ، باطل اور خود ان کے اپنے لفظوں میں مردود ہے کیونکہ ان احادیث میں ایسی کوئی صحیح صریح حدیث انہوں نے قطعاً پیش نہیں کی اور نہ وہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس لیئے یہاں بھی وہ اسکی نشاندھی کرنے کی بجائے محض گول مول انداز کے اختیار کرنے پر اکتفاء کررہے ہیں بلکہ ہمارے علماء کے اس مطالبہ کے پورا کرنے کی بجائے وہ صاف لکھ گئے ہیں کہ واقعی ایسی کوئی صحیح صریح دلیل ان کے پاس نہیں ہے چنانچہ انکے لفظ ہیں (جو ان کی منقولہ بالا عبارت سے صرف دوسطروں کے بعد لکھے ہیں) کہ ''باقی رہا یہ سوال کہ ان روایتوں میں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں؟ تو نہ سہی'' اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۴)

گکھڑوی رٹ: گکھڑوی صاحب نے اپنی سابقہ بات کو ایک بار پھر دہراتے ہوئے یہاں لکھا ہے کہ ''خیر القرون کے مفہوم سے اتباع کا حکم دیا اور ایاکم ومحدثات الامور سے اجتناب کا،، اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۴)

اقول: اسکا جواب ابھی گزرا ہے کہ حدیث خیر القرون کا یہ مفہوم ہر گز نہیں۔ باقی ایاکم ومحدثات الامور کے الفاظ میں جو بدعات سے اجتناب کا حکم فرمایا گیا ہے ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اسمیں جس بدعت کی مذمت فرمائی گئی ہے ہم بفضلہ تعالی اسکے کلی طور پر قائل وفاعل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا معیار بدعت گکھڑوی صاحب کے مقررہ معیار سے مختلف ہے

جسکی مکمل وضاحت متعلقہ باب میں آ رہی ہے۔

اقرار شکست فاش: آخر میں گکھڑوی صاحب کا یہ خطاب لاجواب بھی سن لیں فرماتے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ ان روایتوں میں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں؟ تو نہ سہی! جو چیز ان احادیث میں بیان کی گئی ہے وہ ان سے اخذ کرلو جو چیز دوسری احادیث میں بیان ہوئی ہے وہ ان سے لے لو نہ ہنگ لگے نہ پٹکڑی

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ☆ ساقی ہوا علم الیقین عین الیقین حق الیقین ساقی

اھ بلفظہ

ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۴)

اقول: یہ گکھڑوی صاحب کی صریح اقراری شکست فاش ہے کیونکہ حدیث خیر القرون میں وہابی اضافہ کے بارے میں ہمارے علماء کا اسکے قائل (وہابیہ) سے جو مطالبہ تھا انہوں نے اپنی اس عبارت میں صاف طور پر مان لیا ہے کہ اسکا اسمیں واقعی کوئی وجود نہیں ہے۔ حیث قال: ''ان روایتوں میں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں؟ تو نہ سہی'' ورنہ شکست ہوتی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ وہ یہاں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ''نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی'' جسکا مطلب ہوتا ہے صرف کیے بغیر مفت میں کام کا نکل آنا یعنی گکھڑوی صاحب کو اپنے اس دعوی کی دلیل کے پیش کرنے کی زحمت نہ دو بلکہ ایسے ان کی اس بات کو مانتے ہوئے انکے اسی دال ساگ کو قبول کرلو مزید انکے پیش کردہ اس طرحی شعر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے محض اپنی قوم کو خوش کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے جیسے یہ دلائل کے میدان کی بجائے خوش گپوں پر بنی کوئی چٹخارے والی دیوبندی محفل ہو۔ اس سے بھی انہوں نے یہ مان لیا ہے کہ مسئلہ ھذا میں انہوں

نے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی منزلیں طے کر کے دیکھ لیا اور اپنے اس استدلال کے تمام پہلو اجاگر ہو گئے اور سارے اسرار کھل گئے ہیں کہ حدیث خیر القرون میں بدعت اور احداث کے ہونے کے انکے دعوے محض بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں۔ جس سے بے ساختہ نوک قلم پر آتا ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ''جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا''

گکھڑوی جہالت : گکھڑوی صاحب نے ''نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی'' والا جو محاورہ لکھا ہے، صحیح نہیں۔ صحیح ہینگ کی بجائے ''ہلدی'' کا لفظ ہے جیسا کہ اردو کی جامع ڈکشنریوں اور اردو محاورات کی متعلقہ کتب میں اسکی تصریح موجود ہے (مثلاً فیروز اللغات اور پاپولر جیسی اردو لغات وغیرہ ھما)

علاوہ ازیں اس محاورہ کا تمتہ اسطرح ہے ''رنگ بھی چوکھا آوے'' اور مکمل طور پر یوں ہے:۔ ''ہلدی لگے نہ پھٹکڑی رنگ بھی چوکھا آوے''۔ جو گکھڑوی نقل کے غلط ہونے کا واضع قرینہ ہے کیونکہ ہینگ رنگنے کے کام میں نہیں آتی کہ وہ درخت کی گوند ہے جو دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے دیوبندی محقق کی جہالت کا پتہ چلتا ہے۔

معنیٔ قرن از شاہ ولی اللہ صاحب سہارنپوری کے حوالہ سے علامہ امدادی پر اعتراض کا جواب :

حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی رحمتہ اللہ نے خیر القرون کے وہابی معنی کے خلاف مزید استدلال فرماتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور علامہ احمد علی سہارنپوری کی بعض عبارات بھی پیش فرمائی تھیں جسے گکھڑوی صاحب نے ''چوتھا اعتراض'' کے زیر عنوان محصلہ کر کے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ۔

''مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں'' کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ خیر القرون میں قرن اول آنحضرت ﷺ کی وفات پر اور قرن ثانی حضرت عمر کی وفات پر اور قرن ثالث حضرت عثمان کی وفات پر ختم ہوگیا اور حضرت عثمان کی شہادت ۳۵ھ کو ہوئی ہے اور مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری (المتوفی ۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں کہ یہ معنےٰ خیر القرون کے نہایت موزوں اور چسپاں ہیں۔ اسلام کی شوکت جبھی تک خواب رہی پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی اور خیریت قرون ثلاثہ کی کم ہوگئی (محصلہ انوار ساطعہ صفحہ ۲۱) اھ۔ ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۴)

اس پر گکھڑوی صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جمہور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کی عقائد اور اعمال میں پیروی کرنا خیر القرون کے مخالف ہے یقیناً اور قطعاً باطل ہے'' (راہ سنت صفحہ ۵۴)

اسکے بعد انہوں نے بہ زعم خویش انتہائی مضبوط قسم کی تین وجوہ پیش کی ہیں جبکہ وہ

درحقیقت تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں جن میں سے (۱) ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ سے ایسی کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کی اتباع کی وصیت فرماتے ہوئے امت پر اسے لازم قرار دیا ہے۔ نیز (۲) یہ کہ شاہ موصوف کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ خلافت منتظمہ اور کمال خیریت حضرت عثمان کے عہد خلافت تک رہی اور اسکے بعد کمال خیریت جس میں نبوت ورسالت کی کماحقہ جھلک تھی وہ صرف حضرت عثمان کے عہد خلافت تک ہی رہی ہے اور اسکے بعد کمال خیریت باقی نہ رہی ....اور اس میں شک نہیں کہ پہلے قرن جیسی خیریت دوسرے میں نہ تھی اور دوسرے جیسی خیریت تیسرے قرن میں نہ تھی الخ۔ نیز (۳) یہ کہ اگر شاہ صاحب کی تحقیق حسب بالا کو مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صحابہ وتابعین کی پیروی کو لازم نہیں سمجھتے کیونکہ اسکے برخلاف بھی ان کی تصریحات موجود ہیں (ملخصاً ومحصلاً) ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۴_۵۵)

الجواب : جسکا جواب یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب کے اس پورے جواب کی مکمل بنیاد صرف اس پر ہے کہ حدیث خیرالقرون نیز حدیث اوصیکم یا صحابی سے غرض اہل قرون ثلٰثہ کی اتباع کو لازم قرار دینا ہے جو بلادلیل دعویٰ ہی نہیں انتہائی غلط امر بھی ہے کیونکہ ان سے مراد ان پر نیکی اور تقویٰ کے غالب ہونے نیز ان سے حسن سلوک کرنے کو ہی بیان فرمانا ہے لاغیر۔ پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اسکے سہارے قائم استدلال کی ساری عمارت ہی پیوند خاک ہوگئی۔ (اسکی مکمل تفصیل ان احادیث کے تحت کچھ پہلے گزر چکی ہے)

علاوہ ازیں اس سے قطع نظر علامہ امدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جس امر کے اثبات کیلئے شاہ صاحب کی اس عبارت سے استدلال فرمایا ہے وہ قطعاً بجاہے کیونکہ وہ اس سے بتانا یہ

چاہتے ہیں کہ قرون ثلثہؔ کے خیر ہونے کا یہ معنےٰ لینا کہ کسی امر کے سنت ہونے نہ ہونیکی بنیاد اسکا انہی ادوار میں سے کسی دور میں ہونا ضروری ہے جو نادرست اور غیر صحیح ہی نہیں مشکوک بھی ہے۔

کیونکہ اسکی تجدید میں خود اسی حدیث کے بارے میں ائمتہ شان کا اختلاف ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنی اس عبارت میں خیر القرون کا اختتام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک کے اختتام تک مانتے ہیں جس کے لیئے انہوں نے اسی حدیث خیر القرون ہی کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ علامہ سہار نپوری کا قول جسکا مزید موید ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ امدادی رحمتہ اللہ علیہ نے ''قرن'' کی تحدید کے دوسرے اقوال بھی نقل فرمائے ہیں جنہیں گکھڑوی صاحب نے یہاں پر نظر انداز کر دیا ہے۔ بہر صورت اس سے حضرت علامہ امدادی علیہ الرحمتہ کا بنیادی نکتہ صرف یہ ہے کہ اسکی غرض اصحاب خیر القرون پر برائی کی بجائے نیکی اور تقویٰ ہی کے غالب ہونے کو بیان فرمانا ہے جیسا کہ ان کے ان لفظوں سے بھی ظاہر ہے کہ ''خیریت قرون ثلاثہ کی کم ہوگئی۔'' جو ابھی گزرے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ معنےٰ خود گکھڑوی صاحب بھی تسلیم کر چکے ہیں پس انکا یہ واویلا خود انکے قلم سے بے سود قرار پایا چنانچہ خدا کے کرنے سے علامہ موصوف کے اس موقف کو ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔ ''اسمیں شک نہیں کہ پہلے قرن جیسی خیریت دوسرے میں نہ تھی اور دوسرے جیسی خیریت قرن میں نہ تھی'' (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۵ وقد مر انفاً الضاً)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

شاہ صاحب کی دیگر عبارت سے جواب =

گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی جن دیگر عبارت کو پیش کیا ہے وہ بھی انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ۔

اولاً = ان میں سے کوئی بھی عبارت ایسی نہیں جسمیں مبحث فیہ (حدیث خیرالقرون) کا یہ معنی کرتے ہوئے اس کے حوالہ سے اہل قرون ثلٰثہ کو واجب الاتباع گردانا گیا ہو جبکہ زیر بحث امر بھی یہی ہے اور اسی کا اثبات ہی انکے ذمہ تھا۔

ثانیاً = علاوہ ازیں پیش کردہ عبارات حضرت شاہ صاحب سے منسوب کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ ''اور کتاب ''الانصاف'' کی ہیں جو متداول نہیں بلکہ وہابیہ ہی کے ہاتھوں منظر عام پر آئی ہیں کیا معلوم انمیں کیا کیا تدسیسات عمل میں لائی گئی ہیں چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کے ٹائیٹل پیج پر صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''راجع اصولہ وصحہا وقید حواشیہا مولانا محمداحسن النانوتوی ''یعنی کتاب ہذا کے اصول کی مراجعت اسکی تصحیح نیز اسکے حواشی کی تحریر سب مولانا محمد احسن نانوتوی نے کی''

جبکہ موصوف کا تعلق علماء دیوبند سے ہے جو قطعاً محتاج بیان نہیں کہ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے بریلی شریف میں آستانہ عالیہ رضویہ کے مقابلے میں مدرسہ مصباح العلوم قائم کیا تھا

ثبوت تحریف درکتب شاہ صاحب = جبکہ حضرت شاہ صاحب کی کتب میں ملاوٹوں کا ہونا بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے جسکی ایک تازہ مثال سعودیہ سے شائع کیا گیا آپ کا فارسی ترجمہ قرآن (فتح الرحمٰن) بھی ہے جس میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کے الفاظ ''وما اہل بہ بغیر اللہ '' کا ترجمہ ان لفظوں میں کر دیا گیا ہے۔ ''وآنچہ آواز بلند کردہ شود براد

بغیر نام خدا'' یعنی وہ حلال جانور بھی حرام ہے جو غیر اللہ کے نام سے مشہور کر دیا جائے۔ (صفحہ ۳۶۔۳۷ مطبوعہ مجمع الملک فہد المدینة المنورة ۱۴۱۷ھ)

جبکہ قدیم نسخوں میں ترجمہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ''و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'' یعنی وہ حلال جانور جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۳ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی لاہور۔ مطبوعہ ۱۳۷۳ھ) ان دونوں میں زمین و آسمان کا سا فرق ہے۔ چونکہ یہ ترجمہ وہابیت سوز تھا اسلئے اسے بدل دینے ہی میں عافیت سمجھی گئی۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ثالثاً= علاوہ ازیں گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ عبارت نمبر 1 میں صرف صحابہ و تابعین کا ذکر ہے جبکہ گکھڑوی صاحب کا یہ دعوی تبع تابعین کے بارے میں بھی ہے پس تقریب تام نہ ہوئی۔ لفظ یہ ہیں۔ ''وجری علیہ جمہور الصحابۃ والتابعین'' الخ (راہ سنت صفحہ ۵۵ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۷۰ جلد ۱)

رابعاً= نیز عبارت نمبر ۲ میں آثار صحابہ و تابعین کے ساتھ اقوال مجتہدین کا ذکر بھی ہے و الفظ و اثار الصحا بته و التا بعین و المجتهد ین (راہ سنت صفحہ نمبر ۵۶ بحوالہ رحمتہ اللہ البالغہ و کتاب الانصاف) جو گکھڑوی موقف کے سراسر برعکس ہے کیونکہ اولاً اسمیں تبع تابعین کا ذکر مفقود ہے۔ ثانیاً قرون ثلثہ کے بعد کے افراد بھی اسمیں داخل ہو رہے ہیں جو حدیث خیر القرون پر اضافہ ہے کیونکہ مجتہدین امت قرون ثلثہ تک محدود نہیں کہ ائمہ آ جتہاد ان کے بعد بھی ہوئے ہیں چنانچہ خود گکھڑوی صاحب کی اسی مستند بہ کتاب الانصاف میں لکھا ہے۔

وهو باق الى ان تاتى اشراط الساعته الكبرى ولا يجوز انقطاعه شرعاً لانه

فرض کفایته یعنی اجتهاد مطلق تا قیام قیامت باقی رہے گا جسکا منقطع ماننا شرعاً درست

نہیں کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے اھ ماار دنا۔

ملاحظہ ہو(کتاب الانصاف صفحہ نمبر ۲۰ طبع استمبول 'ترکی')

اگر بالکلیہ مجتہدین کا قرون ثلثہ میں منحصر ہونا درست ہوتو ہزارہا جدید مسائل کے حل کا

کیا ذریعہ ہوگا جن میں سے سینکڑوں اس زمانہ میں بھی سامنے ہیں لہٰذا گکھڑوی صاحب کا ائمہ

مجتہدین کو تبع تابعین تک محدود کرینا (کمانی راہ سنت صفحہ نمبر ۵۶) انکا بلا دلیل دعویٰ ہے اور اپنی

پیش کردہ مستند بہ کتاب الانصاف کے خلاف بھی۔

نیز عبارت نمبر 1 میں صحابہ وتابعین کے ساتھ جمہور کی قید بھی مذکور ہے (کمامر) جو

حدیث خیر القرون کے خلاف اور اس پر بے دلیل اضافہ ہے کیونکہ وہ اہل خیر القرون کے ایک

ایک فرد کے بارے میں ہے جس میں جمہور کی کوئی قید نہیں۔

خامساً= علاوہ ازیں عبارت نمبر ۲ میں شاہ صاحب بعض علماء سلف کے اخذ مسائل کا

طریقہ بیان کرر ہے ہیں جیسا کہ عنوان باب سے بھی ظاہر ہے ولفظ ''باب الفرق بین اھل

الحدیث و اھل الرای '' ملاحظہ ہو(حجتہ اللہ البالغہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۴۷ نیز الانصاف نمبر ۱

ولفظ باب الاختلاف بین اہلحدیث واھل الرای) نیز خود گکھڑوی صاحب کے پیش کیے گئے

عبارت کے ٹکڑے سے بھی ظاہر ہے جسکے لفظ اس طرح ہیں فاء خذوا یتبعون احادیث

النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ ملاحظہ ہو(راہ سنت صفحہ نمبر ۵۶ بحوالا الحجتہ والانصاف)

اسی طرح عبارت میں شاہ صاحب فی الجملہ اہل سنت کے برحق ہونے کو بیان فرمارہے ہیں

جیسا کہ خود اس عبارت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔لفظ اس طرح ہیں'' الفرقتہ النا جیتہ ا

لخ ملاحظہ ہو (حجتہ اللہ البالغہ ج اصفحہ ۷۰ انیز راہ سنت صفحہ ۵۶)

نیز عنوان باب سے بھی واضع ہے ولفظہ من ابواب الاعتصام بالکتاب و السنة
'' ملاحظہ ہو (حجتہ اللہ البالغہ جلد اصفحہ ۱۶۹)

ظاہر ہے کہ اسمیں سنت مقابل بدعت ہے پس یہ عبارت اسوقت ہمارے خلاف ہوگی جب گکھڑوی صاحب ہم پر رکھے گئے اپنے الزام بدعت کو ثابت کردیں جو محض ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' کا مصداق ہے جبکہ حقیقتاً بدعتی خود گکھڑوی صاحب اور انکے ہم جماعت ہی ہیں جسکی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات اور ہماری اس کتاب کے حصہ اول میں گزر چکی ہے مزید تفصیل آرہی ہے۔ پس یہ خود گکھڑوی موقف ہی کی قالع وقامع ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمارا اس سے بال بھی بیکا نہ ہوا (وہو المقصود)

گکھڑوی کا فائدہ بے فائدہ= اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے ''فائدہ'' کا عنوان دیکر اس امر کی توجیہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ خیر القرون کے بیان کی بعض عبارات میں صرف نبی کریم ﷺ کا ذکر وارد ہے۔ بعض میں صرف شیخین کریمین کا بعض میں خلفاء راشدین کا اور بعض میں صحابہ کے ساتھ صرف تابعین کا۔ لکھا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اہم اور عمدہ کڑی کو بیان کردیا ہے۔ اور دوسروں کو بالتبع سمجھ کر بیان نہیں کیا (راہ سنت صفحہ ۵۶) جس سے گکھڑوی صاحب نے اس امر کو ایکبار پھر تسلیم کرلیا ہے کہ اس سے اصل مقصود اہل خیر القرون پر درجہ بدرجہ نیکی اور تقویٰ ہی کے غالب ہونے کو بیان کرنا ہے یعنی سب سے زیادہ نیک قرن اول پھر ان سے کم قرن دوم پھر ان سے کم قرن سوم ہوگا ورنہ اس درجہ بند نیز بالاصل اور بالتبع کی تقسیم کا کیا مطلب؟

گکھڑوی صاحب کی انصاف پسندی= اسقدر ٹھوکریں کھانے اور بکثرت بدعات کا ارتکاب کرنے کے باوجود گکھڑوی صاحب نے اپنا جرم دوسروں کے سرمنڈ ھتے اور اپنے ہی خصوم کو اسکا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اس بحث کا خاتمہ ان لفظوں میں کیا ہے کیا اس قاعدہ کو نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں اور مفتی احمد یار خان صاحب نے جاء الحق میں اور اس طرح دیگر بدعت پسند حضرات نے اپنی اپنی کتابوں اور رسالوں میں ٹھوکریں کھائی ہیں اور خواہ مخواہ اپنے ذین اور عوام کو مشوش کیا ہے۔ ان حضرات کی خدمت میں یہی عرض ہے کہ

ٹھوکریں مت کھائے۔ چلئے سنبھل کر، دیکھ کر، چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر ملاحظہ ہو (راہ سنت صفحہ ۵۶ـ۵۷) جسکے جواب میں ہم اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ آنجناب کی چال واقعی اپنی مثال آپ ہے پس۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نیز یہ بھی: تمہی وکیل تمہی مدعی تمہی منصف ہمیں خبر تھی ہمارا قصور نکلے گا

لہٰذا: ہٹ چھوڑئے اب بر سر انصاف آئیے انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

مباحث فقه و قیاس:

زیر بحث باب (1) کے آخر میں گکھڑوی صاحب نے یہ عنوان ''اسلامی فقہ اور قیاس بھی ایک شرعی دلیل ہے'' قائم کر کے اس پر بھی کچھ صفحات صرف کئے ہیں اور حسب عادت اہل سنت اور ان کے بعض معمولات کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور بعض باتیں علم و تحقیق سے ہٹ کر محض سطحی انداز میں بھی کی ہیں بلکہ تلبیس سے بھی کام لیا ہے جن کے ترکی بہ ترکی جوابات حسب ذیل ہیں جب کہ نفس عنوان کے حوالہ سے کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کا جواب ہمارے ذمہ ہو کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم حضور امام اعظم قدس سرّہ الاکرم کی غلامی کی نسبت سے گکھڑوی صاحب کی طرح محض زبانی جمع خرچ سے نہیں بلکہ جان و دل سے قیاس مجتہد کے حجت شرعیہ ہونے کے قائل ہیں۔ لیجئے اب پڑھئے جوابات:

مسئلہ قیاس و اجتہاد میں گکھڑوی صاحب کا بنیادی مغالطہ اور اس کا رد بلیغ:

چنانچہ اس مقام پر سب سے پہلا اور بنیادی مغالطہ (جو دراصل اس عنوان سے ان کا مقصود اصلی بھی ہے) انہوں نے یہ دیا ہے کہ ہر ہر مسئلہ میں اجتہاد کے لئے مجتہد مطلق کا ہونا شرط ہے جس سے ان کا مقصد بعض معمولات اہل سنت کو بدعت سیئہ قرار دینے کے لئے ان کے اپنے لفظوں میں ''چور دروازہ'' رکھنا ہے تا کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ مسائل کی اصلیں معلوم کرنا جب کام ہی مجتہد مطلق کا ہے تو علماء اہل سنت کا انہیں صحیح اور ثابت الاصل ماننا یا قرار دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اسی تناظر میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''شرط یہ ہے کہ مجتہد صحیح معنی میں مجتہد ہو ورنہ القضاۃ ثلاثہ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ جاہل آدمی کا فیصلہ اس کو دوزخ میں

لے جائے گا (رواہ ابو داؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص325، ج2) اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص58)

الجواب: جو قطعاً درست نہیں کیونکہ......

اولا: حدیث القضاۃ ثلاثۃ کو پیش کرنا درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ قضاء کے لئے اجتہاد شرط ہے جو قطعاً صحیح نہیں۔

ثانیا: مجتہد مطلق کا کام صرف اور صرف غیر منصوص مسائل کے ماخذ کے متعین کرنے میں رہنمائی کرنا ہے اور اسی کو قیاس کہتے ہیں عامۃ مسائل کے لئے اجتہاد مطلق کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، معتمد اہل علم بھی نصوص کے اطلاقات وعمومات سے استدلال کر سکتے ہیں کیونکہ یہ قیاس نہیں اسی طرح امام سے غیر منصوص امر کے بارے میں امام کے مقررہ قواعد کو سامنے رکھ کر اس کا حل، غیر مجتہد مطلق بھی تلاش کر سکتے ہیں (کما هو مقرر فی الاصول وسیأتی تفصیله، الحافل فی موضعه ان شاء الله تعالیٰ شانه)

ثالثا: ہمارے اس بیان کی تائید خود گکھڑوی صاحب کی بعض دیگر تصریحات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ انہی مباحث کے ضمن میں ایک مقام پر انہوں نے لکھا ہے کہ:......

''مجتہد کا کام صرف اتنا ہے کہ مسکوت عنہ جزئی کی کڑی دلیل شرعی سے جوڑ دیتا ہے اور بس'' اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص60)

نیز ص62 پر لکھا ہے:

''اس میں غیر منصوص کی کڑی کو منصوص سے ملا دیا جاتا ہے'' اھ

نیز موصوف نے اس ضمن میں مودودی صاحب کو کوستے ہوئے لکھا ہے کہ:

''کاش مودودی صاحب خود بھی اس بہترین اور زرین نصیحت پر عمل کرتے اور بلا راسخ علم کے خام اجتہاد کا چور دروازہ نہ کھولتے جس کی بدولت وہ خود بھی اس رسوائی سے بچتے اور لوگوں کو بھی گمراہی سے بچاتے'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 61)

اقول: دیگراں رانصیحت وخود را فضیحت؟ ایں چہ بوالعجبی است؟

رابعا: گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں اور اسی پر ہی ڈٹے رہیں کہ اس کے لئے اجتہاد مطلق بہر حال شرط ہے تو انہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ جدید مسائل کے حل کا ذریعہ کیا ہوگا؟

نیز انہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ ان کے جن ہم جماعت علماء نے جدید مسائل کے حل کے لئے مجلسیں قائم کر رکھی ہیں بلکہ وہ اس موضوع پر متعدد کتابیں بھی لکھ کر عوام کو ان پر عمل کا پابند کر چکے ہیں ان پر کونسی شرعی دفعہ لگے گی جب کہ ان میں کوئی مجتہد مطلق تو کجا بیشتر ایسے ہیں جنہیں شاید ابھی صحیح وسقیم، غث وسمین اور قوی وضعیف میں بھی فرق کرنے کی صلاحیت نہ ہو؟ جب کہ گکھڑوی صاحب یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ مجتہدین مطلق کا اختتام طبقہ تبع تابعین پر ہو چکا ہے (مستفاداً) ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 52)

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

خامسا: پیش نظر گکھڑوی مغالطہ کا رد بلیغ اس سے بھی ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد مطلق سے ہٹ کر بعض انواع اجتہاد تا قیام قیامت جاری رہنے کا عندیہ دیا ہے چنانچہ اس مقام پر تھوڑا سا آگے انہوں نے لکھا ہے:

''اس روایت .... سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فروعی قوانین کو منجمد رکھنا پسند نہیں فرمایا بلکہ ضرورت کے پیش نظر ایسے قوانین کو استقرائی رکھنا چاہا ہے تا کہ

انسان کے قوائے دماغیہ کی نشو ونما اور انسانی ترقیات میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے' ملاحظہ ہو(راہ سنت ص 58،59)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

بحث قیاس عبّاد و زهّاد:

اس عنوان کے تحت گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''محض صوفیوں کی باتیں بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں الا یہ کہ وہ شریعت کے موافق ہوں چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی (المتوفی فی حدود ۱۰۰۰ھ) لکھتے ہیں: اور جو عابد و زاہد اہل اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں، ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی (نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار ص 127)''

اس کے بعد اس محولہ کتاب کا اعتبار بڑھانے کے لئے گکھڑوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''مجالس الابرار کی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بھی بڑی تعریف کی ہے''

مزید اپنے اس مؤقف کی تائید میں موصوف نے مکتوبات حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو(راہ سنت ص 61)

الجواب مجالس الابرار کی فنی حیثیت:

اقول: اولا: مجالس الابرار ہمارے نزدیک مستند کتاب نہیں لہذا اس کا کوئی حوالہ ہم پر حجت نہیں امام اہل سنت شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کم و بیش چھیانوے (96) برس قبل اس

سے اظہار برأت فرما چکے ہیں چنانچہ آپ اپنے رسالہ مبارکہ ''کاسر السفیه الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم'' میں عنوان رسالہ سے ظاہر مسئلہ فقہیہ کی بابت مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا ردّ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلیٰ پائے پر ہو کہ آئمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے، ان کا حق و باطل نکالے، وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا کرے کہ مجاہیل و بے قدر و بے وقعت زید و عمرو سب سے استناد کرے؟ کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں، کہیں رسالہ اسلمی سے، کہیں اور اُتر کر اربعین میاں اسحاق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط المستقیم اسماعیل دہلوی سے؟ ملاحظہ ہو (فتاویٰ رضویہ شریف، جلد ہفتم، ص 221، طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو بھی کتاب ہذا کی استنادی حیثیت مخدوش ہے کیونکہ اصل میں یہ عربی میں ہے جو اتنا غیر متداول ہے کہ عام دستیاب نہیں ہے اس کا جو اردو ترجمہ ملتا ہے وہ بھی خود مانعین کے زیر اہتمام طباعت کے مراحل طے کر کے منظر عام پر آیا ہے پس نہ معلوم اس میں کتنی ہاتھ کی صفائیاں دکھائی گئی ہوں گی چنانچہ اس کے کراچی سے شائع کردہ نسخہ کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہے:

''ترجمہ بہ اہتمام مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ دہلوی، ترتیب و تزئین حسین احمد نجیب دارالعلوم کراچی''

نیز اسی (کے ص 3) میں ہے:

''مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب...... نے اس کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی فرمائی''

اور اس سے قبل متصلاً لکھا ہے:

''حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب راندیری سورتی...... نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو سلیس اور بامحاورہ کروا کر عام اردو دان حضرات کے لئے صحیح دینی معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ فراہم کر دیا'' ملاحظہ ہو (ص 3 طبع دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر 1، مطبوعہ رجب سن ۱۳۹۸ھ)

شاہ عبد العزیز صاحب کے حوالہ سے جواب:

رہا یہ کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اس کی بڑی تعریف فرمائی ہے؟ تو یہ گکھڑوی صاحب کا ایسا بے سند دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت وہ مہیا نہیں کر سکے مجالس الابرار مترجم کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس کے ص 3 پر مولوی حسین احمد نجیب دیوبندی رفیق دار التصنیف دار العلوم کراچی، کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہ العزیز اس کتاب کی نہایت بلیغ انداز میں توصیف فرماتے تھے۔

نیز اسی (کے ص 36) میں دیوبندی مفتی کفایت اللہ دہلوی کے حوالہ سے بھی حضرت شاہ صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے اس کتاب کی تعریف و توصیف فرمائی ہے'' لیکن اس میں بھی اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا کہ شاہ صاحب نے کب، کہاں اور اپنی کس کتاب میں اس کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ لگتا ہے کہ گکھڑوی صاحب نے بھی یہ بات اسی سے نقل کی ہے سبحان اللہ! محقق ہوں تو ایسے ہوں۔

پھر مفتی کفایت اللہ صاحب نے بلا حوالہ شاہ صاحب کے جو الفاظ اردو میں منتقل کر کے نقل کئے ہیں ان میں بھی یہ واضح نہیں ہے کہ آپ نے کس مجالس الابرار نامی کتاب کی تعریف فرمائی ہے پیش نظر کی یا کسی اور کی نیز ان الفاظ میں بھی یہ نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس کے ایک ایک لفظ کو مستند قرار دیا ہے بلکہ ان میں اس کے ''فوائد کثیرہ پر شامل'' ہونے کا ذکر ہے جب کہ تعریف وتوصیف اور ہوتی ہے اور ایک ایک لفظ کی تصدیق شے دیگر ہوتی ہے (ولا یخفی علی احد من اهل العلم)

علاوہ ازیں کتاب ہذا کے غیر معتمد ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ اس کا مؤلف مجہول الحال بلکہ مجہول العین ہے جس کے بارے میں خود گکھڑوی صاحب اور ان کے بزرگوں کا بھی خاصا اختلاف ہے چنانچہ اس کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہے:

تصنیف حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ:

نیز اس کے ص 3 پر لکھا ہے:

''شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مجالس الابرار'' الخ

نیز اسی کے ص ۳۶ پر گکھڑوی صاحب کے پیش رو مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے:

''مجالس الابرار کے مصنف نے غایت اخلاف وتواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا میں نے ہر چند کوشش کی کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں مگر افسوس کہ کامیابی نہیں ہوئی''

اس سے کچھ آگے لکھا ہے:

''اور مصنف اس کے شیخ احمد رومی ہیں'' نیز ''اس سے زیادہ مصنف کا کوئی حال معلوم

نہیں ہوسکا۔نواب سید محمد صدیق حسن خان صاحب نے بھی .... مجالس الابرار کے

بیان میں صرف انہی دونقلوں پر اکتفاء کیا ہے'' اھ

اس کے برعکس گکھڑوی صاحب نے اس کے مؤلف کا نام یہ بتایا ہے:

''علامہ قاضی ابراہیم الحنفی (المتوفی فی حدود ۱۰۰۰ھ)'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 61)

پھر اس کے مؤلف شیخ احمد رومی ہونے کی تردید کر کے اپنے پیش رو مفتی کفایت اللہ

صاحب کو اس غلطی کی عام معافی دے کر ایک اور صاحب پر برستے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ملا کاتب چلپی (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کی یہ غلطی ہے کہ وہ مجالس الابرار کو ملا احمد رومی کی

تالیف بتاتے ہیں ایسی غلطیاں ان سے بکثرت صادر ہو جاتی ہیں'' اھ ملاحظہ ہو (راہ

سنت ص 61)

خلاصہ یہ کہ گکھڑوی صاحب کی یہ مجالس بھی بعینہ بعض دیگر حضرات کی ان مجالس کی

آئینہ دار ہیں جن کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ '' آوار آندی اے اور بس ....''

ثانیا: اس سب سے قطع نظر مجالس الابرار کی یہ عبارت ہمارے خلاف بھی نہیں کیونکہ اس میں

صراحت موجود ہے کہ ''خلاف قرآن وحدیث کسی عابد وزاہد کی بات نہ ماننا خود حدیث اور

اجماع امت سے ثابت ہے'' ملاحظہ ہو (ص 166، طبع دار الاشاعت، کراچی) مگر گکھڑوی

صاحب نے اسے چھوا تک نہیں۔

علاوہ ازیں اس کا تعلق معتبر فی الباب اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھنے والے عباد وزہاد

حضرات کے ان ذاتی اقوال سے ہے جو بے اصل ہوں جو ظاہر ہے ہمارے قطعاً خلاف نہیں

کیونکہ ہم نے کبھی بھی اس قسم کے اقوال کے حجت شرعیہ ہونے کی بات نہیں کی جس کے لئے اتنا

بھی کافی ہے کہ گکھڑوی صاحب ہمارے متعلق مذکورہ تاثر دینے کے باوجود اس پر ہمارے کسی ذمہ دار تو کجا عام عالم کا حوالہ بھی پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی ایسا کوئی حوالہ وہ پیش کر سکتے ہیں بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ دیدہ باید۔

نوٹ نمبر 1: گکھڑوی صاحب نے مجالس الابرار کے ترجمہ کا نام ''نفائس الازہار'' کے بجائے نفائس الاظہار'' (ظاء کے ساتھ) لکھا ہے جو اگر غلط کتابت نہیں تو بہت تعجب خیز ہے۔

نوٹ نمبر 2: مجالس الابرار کے بارے میں اتنی طویل بحث ہم نے اس لئے کی ہے کہ گکھڑوی صاحب نے آگے چل کر بدعت کی اپنی من مانی تعریف کے لئے اسے اپنے بنیادی ماخذ میں شمار کیا ہے جب کہ وہ ان کے مقرر کردہ معیاد دلائل پر قطعاً پوری اترنے والی نہیں۔

(فاحفظہ فانہ سینفعک کثیرا ا ن شاء اللہ تعالیٰ شانہ)

عبارت مکتوبات سے جواب:

اسی طرح س مقام پر ان کی پیش کردہ عبارت مکتوبات حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ میں مجتہدین فقہ ہی کا قول چلے گا غیر فقیہ صوفیاء کا نہیں۔ بالفاظ دیگر جن صوفیاء کرام کو فقہ میں شغف نہیں۔ ان کی رائے مسائل تصوف میں تو معتبر ہو سکتی ہے فقہی مسائل میں ماہرین فقہ ہی کی خدمات حاصل کی جائیں گی اور قرین قیاس بھی یہی امر ہے کیونکہ اس میں گفتگو ایک مسئلہ کے فقہی پہلو پر ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس کے لفظ ہیں (جنہیں خود گکھڑوی صاحب نے بھی نقل کیا ہے):

''عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم ومر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف و

امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی وابوحسن نوری'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 61و62 بحوالہ مکتوبات دفتر اول ص 335، مکتوب 266)

عبارت ہذا کے الفاظ عمل صوفیہ درحل وحرمت سند نیست'' مانحن فیہ کی روشن دلیل ہیں۔ پس اس کے حوالہ سے بھی گکھڑوی صاحب کا واویلا انہیں کچھ مفید نہ ہوا۔

ہمارے اس مؤقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ گکھڑوی صاحب نے تھوڑا سا آگے چل کر ذکر، اذکار اور مسائل تصوف کے بارے میں آئمہ صوفیاء کرام کے اقوال کو سند مانا ہے (جیسا کہ اس کے بعد والے عنوان کے تحت اس کی تفصیل آرہی ہے)

اپنے دام میں آپ صیّاد:

گکھڑوی صاحب صوفیاء کرام کے متعلق اپنے اس بیان کی زد میں آکر ''اپنے دام میں آپ صیاد آگیا'' کے مصداق ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ ابھی وہ اپنے جس قلم سے ''محض صوفیوں'' کہہ کر صوفیاء کرام پر اظہار غضب فرما رہے تھے، قدرت کا یہ کرشمہ بھی دیکھ لیں کہ انہوں نے اپنے اسی قلم سے ڈنکے کی چوٹ پر یہ بھی مان لیا ہے کہ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین نے ذکر واذکار نیز چلہ کشی اور خلوت گزینی کے جو بیسوں ایسے طریقے ایجاد فرمائے جو قرآن و سنت بلکہ حسب معیار گکھڑوی صاحب بہ صورت کذائیہ بعینہ اور صریحاً ثابت نہیں ہیں وہ ان کے نزدیک بدعت سیۓ کے زمرہ میں نہیں آتے چنانچہ شاطبی کی الاعتصام (ج 1، ص 274) کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے کہ ''وأما الكلام في دقائق التصوف فليس ببدعة'' یعنی تصوف کے دقائق اور اسرار میں کلام کرنا اور ان کا اثبات کرنا بھی بدعت نہیں''۔

پھر اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ معتبر بزرگان دین نے تصفیہ قلوب کے لئے جو اعمال و اشغال بتائے ہیں وہ بدعت نہیں ہیں کیونکہ یہ سب امور اصول شریعت سے ثابت ہیں بخلاف بدعات کے کہ ان کا ثبوت اصول شریعت سے ہرگز نہیں ہے بلکہ ان میں مبتدعین کی اپنی آراء اور خواہشات کارفرما ہیں ذلک قولہم بأ فواہہم'' اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 62)

جس پر نوک قلم پر بے ساختہ آتا ہے کہ......

الجھا جو پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو اپنے دام میں آپ صیاد آگیا

اس اقدام کا پس منظر:

گکھڑوی صاحب نے یہ ساری محنت محض اپنے پیشرو مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کے اس فتوے کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے کی ہے جس میں انہوں نے اشغال صوفیہ کے بدعت نہ ہونے کی تصریح کی اور انہیں ثابت الاصل کہا ہے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ (ص 44، طبع محمد علی کارخانہ تجارت کتب کراچی نمبر 38)

ورنہ ان کے حسب اصول اشغال صوفیہ بھی بدعت سیئہ کی مد میں آتے ہیں جس سے ان کے اخلاص فی الدین اور للّٰہیت کا پتہ چلتا ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**.

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ اشغال صوفیہ ثابت الاصل ہیں؟ تو اس کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ وہ جملہ اشغال کو ایک ایک کر کے لکھیں پھر ہر ایک کی اصل کی علیحدہ علیحدہ نشاندھی کریں تاکہ ہم بھی دیکھ سکیں کہ معمولات اہل سنت ان کے بقول کیونکر بدعت اور وہ اشغال کس طرح

سے ثابت الاصل ہیں پھر وہ اپنا یہ اصول بھی مت بھولیں کہ مسائل کی اصل کا کھوج لگا کر اس کی نشاندھی کرنا مجتہد مطلق کا کام ہے نیز اپنی حیثیت بھی واضح کریں۔

لطیفہ: گکھڑوی صاحب نے باب ہذا میں مسائل کے لئے دلائل کا معیاد بار بار چار امور کو بتایا ہے (قرآن، سنت، اجماع، اور قیاس مجتہد) مگر اشغال صوفیہ کے صحیح الاصل ہونے کے ثبوت میں انہوں نے الاعتصام کا سہارا لیا ہے جو ظاہر ہے ان چار دلائل میں سے قطعاً نہیں بلکہ صاحب الاعتصام تو حنفی فقیہ بھی نہیں ہیں۔ شاید ضرورت ایجاد کی ماں ہے یا پھر میٹھا ھپ کڑوا تھو والا معاملہ ہے۔

بہر صورت اس سے انہوں نے الاعتصام کے دیگر حوالہ جات کا خود کو پابند بنالیا ہے جس سے ہم حسب ضرورت ان شاء اللہ تعالیٰ پورا استفادہ کر کے گکھڑوی صاحب کو راضی کریں گے۔

علامہ امدادی اور علامہ نعیمی کے سوالات قائم ہیں:

سطور بالا کی روشنی میں یہ بھی واضح ہوگیا کہ اشغال صوفیہ کے حوالہ سے صاحب انوار ساطعہ حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی رامپوری اور صاحب جاء الحق حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہما نے انوار ساطعہ اور جاء الحق میں مجوزین اشغال پر جو سوالات قائم فرمائے ہیں وہ تا حال جوں کے توں قائم ہیں جنہیں گکھڑوی صاحب بھی اٹھا سکنے سے عاجز ہیں پس ان کا ان کے جواب میں یہ کہنا کہ ”ابھی الاعتصام کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ تصوف کی باریکیوں اور ان کے اسرار کو بدعت نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ سب اصول شریعت کی طرف راجع ہیں (راہ سنت ص 63) کافی نہیں کیونکہ الاعتصام خود گکھڑوی صاحب کے معیار دلائل سے ساقط

ہے۔

سب سے قطع نظر گکھڑوی صاحب نے واضح اور مدلل وجہ فرق بتانا تھا کہ جب معمولات اہل سنت اور اشغال صوفیہ دونوں کی ہئیت کذائیہ بقول گکھڑوی صاحب غیر ثابت ہے تو ان میں سے ایک بدعت وخلاف شریعت اور دوسرا سنت اور مطابق شریعت کیوں ہے؟ یہی ان لوگوں سے مطالبہ تھا اور یہی مطالبہ ہے پس یہاں طفل تسلیاں نہیں چلیں گی صریح دلائل کام دیں گے جوتا حال ان کے ذمہ ہمارا واجب الاداء قرض ہیں۔

حضرت عبدالسمیع امدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالہ سے یہ کلام فرمایا تھا کہ:

''تعجب ہے کہ جولوگ اعمال واشغال مشائخ صوفیہ عمل میں لائیں اور تقلید شخصی کو واجب اور حق کو منحصر چار امام میں جانیں اور اجماع امت کو درست جانیں اور پھر یہ بات زبان پر لائیں کہ بعد قرون ثلاثہ کے جو کچھ حادث ہوگا وہ بدعت ضلالت اور فی النار ہوگا''

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 62و63 بحوالہ انوار ساطعہ ص 42)

نیز حضرت مفتی صاحب نے بھی یہ استفسار فرمایا تھا کہ:

''تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے کہئے اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے'' اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 63 بحوالہ جاء الحق وزہق الباطل ص 214)

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے ذرا جبیں سے

علامہ امدادی پر اعتراض کا جواب:

گکھڑوی صاحب نے حضرت علامہ عبدالسمیع امدادی علیہ الرحمۃ کی متذکرہ بالا عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مگر خیر سے خیر القرون کا مفہوم خود ہی نہیں سمجھے بحث گزر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 63)

الجواب: گزشتہ صفحات میں ہم حضرت علامہ امدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی وضاحت نیز اس کا مبنی برحق ہونا واضح کر آئے ہیں لہٰذا گکھڑوی صاحب کا یہ بیان غیر صادق ہے ''بحث گزر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں''۔

نیز لکھا ہے:

''نہ معلوم وہ کونسا محقق عالم ہے جس نے یہ کہا ہو کہ حق صرف آئمہ اربعہ میں منحصر ہے اور جو ان کی تقلید نہیں کرتا وہ قطعاً اور یقیناً باطل پر ہے سینکڑوں امام ان کے علاوہ بھی گزرے ہیں اور لوگ ان کی بھی تقلید کرتے رہے ہیں۔'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 63)

الجواب: علامہ موصوف دور حاضر کے حوالہ سے فرما رہے ہیں کہ اس زمانہ میں اسلاف کی فقہی مذاہب میں سے صرف چار ہی ہیں جو مدون صورت میں باقی محفوظ اور امت کا معمول ہیں اس لئے اس نسبت سے حق انہی چار میں دائر ہوا۔ اگر ایسے نہیں ہے تو آپ نے تقلید کے موضوع پر الکلام المفید کس مرض کے علاج کے لئے لکھی تھی۔ پھر اپنی اس نام کی راہ سنت میں علامہ موصوف پر یہ اعتراض لکھنے کے فوراً بعد یہ کیوں لکھا ہے کہ: یہ الگ بات ہے کہ حسب تحقیق حضرت شاہ ولی صاحب ہندوستان وغیرہ کے مزاج کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ قریب تر ہے اور ان پر ان کی تقلید واجب ہے اور مجموعی لحاظ سے اب آئمہ اربعہ کی تقلید نہایت ضروری

ہے جیسا کہ علامہ ابن خلدون (دیکھئے مقدمہ ص 448) وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے" (راہ سنت ص 63)

پھر جب آپ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ آئمہ اربعہ کی تقلید کے نہایت ضروری ہونے کی تصریح کئی ائمہ نے کی ہے تو یہ پوچھنا کیا معنی کہ "نہ معلوم وہ کونسا محقق عالم ہے جس نے یہ کہا ہو" الخ

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بہر صورت اس حوالہ سے سوال آپ پر صرف یہ ہے کہ آئمہ اربعہ کی تقلید جب بہ صورت کذائیہ خیر القرون میں نہیں تھی تو وہ بدعت کیوں نہیں اور معمولات اہل سنت (محفل میلاد شریف وغیرہ) کیوں بدعت ہیں صحیح معیاری دلیل سے وجہ فرق مطلوب ہے۔

حضرت مفتی صاحب پر ہٹ کا جواب:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بالا کا برائے نام جواب دیتے ہوئے گکھڑوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"قاعدہ تو اپنی جگہ پر ہے مگر مفتی صاحب کی اپنی سمجھ کا قصور ہے" (راہ سنت ص 63)

الجواب: گکھڑوی صاحب نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے قاہر سوال سے عاجز آکر اس کا جواب دینے کی بجائے محض چکر دینے پر اکتفاء کیا ہے یا پھر حضرت مفتی صاحب موصوف کے سوال کو سمجھ ہی نہیں سکے۔ پس اگر ہم یہ کہہ دیں تو کچھ بے جا نہیں ہوگا کہ یہ حضرت موصوف کی سمجھ کا قصور نہیں (کما قالہ ہو) بلکہ گکھڑوی صاحب کی اپنی عقل کا فتور ہے

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

کیا قیاس بدعت نہیں؟

گکھڑوی صاحب نے ''قیاس بدعت نہیں ہے'' کا عنوان دے کر لکھا ہے کہ:

''پہلے باحوالہ یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ قیاس واجتہاد قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں غیر منصوص کی کڑی کو منصوص سے ملادیا جاتا ہے الخ'' (راہ سنت ص 62)

پھر اس کے ثبوت میں مکتوبات حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو عبارتوں کے ٹکڑے بھی پیش کیے ہیں اور اس سے قبل الاعتصام للشاطبی کی ایک عبارت بھی استناداً لکھی ہے ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 62،63،64)

اور جس بات کو وہ ''باحوالہ'' کہہ رہے ہیں اس سے مراد حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ہے جس میں ان کے اجتہاد کرنے کے عندیہ کی تصویب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور انہوں نے اسے راہ سنت کے ص 58 پر نقل کیا ہے۔

الجواب: یہ بھی انہیں کچھ مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے کیونکہ الاعتصام اور مکتوبات گکھڑوی صاحب کے مقرر کردہ معیار دلائل سے خارج ہیں علاوہ ازیں ان میں مسئلہ قیاس و اجتہاد کی ہیئت کذائیہ کو بدعت کہنے سے منع فرمایا گیا ہے جب کہ گکھڑوی صاحب کسی امر کی ہیئت کذائیہ (جو خیر القرون سے صریحاً اور بعینہ ثابت نہ ہو) ہی کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کی اس کتاب کے باب نمبر ۴ میں جگہ جگہ پر مصرح ہے۔ جب کہ کوئی ایسی بھی صریح آیت یا صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے جس میں قرون ثلاثہ کے بعد والے حضرات کے بلکہ بالکلیہ تمام اہل قرون ثلاثہ کے اجتہادات کو صراحت کے ساتھ درست قرار دیا گیا ہو۔ حدیث معاذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی زیادہ سے زیادہ انہی کے اجتہاد کی تصویب ہے لاغیر پس ہمارا سوال تا حال ان پر قائم ہے جو ان کے ذمہ واجب الاداء قرض ہے واضح رہے کہ ہمارے یہ لفظ گکھڑوی اصول پر مبنی اور خود ان کی اپنی زبان میں ہیں (فافهم ولا تكن من الغافلين)

ان عبارات کا مفاد:

چنانچہ الاعتصام کی عبارت میں مصرح ہے کہ ''لان الجميع يرجع الى اصول الشريعة'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 62)

اور مکتوبات حضرت شیخ مجدد کی عبارت نمبر 1 میں یہ لفظ ہیں ''فانه مظهر لمعنى النصوص لا مثبت امر زائد'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 63، 64)

جب کہ ان کی عبارت نمبر 2 میں تصریح ہے کہ علماء مجتہدین اظہار احکام دین فرمودہ اند نہ احداث مالیس منہ'' ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 64)

جن کا مفاد یہ ہے کہ جس امر کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ نہ تو بدعت ہے اور نہ ہی دین میں اضافہ یا ترمیم ہے۔ اسی طرح ہر احداث بھی بدعت نہیں کہ محض کسی امر کی ہیئت کذائیہ کو بدعت قرار دیا جائے بلکہ وہی احداث بدعت مذمومہ ہے جو دین کے منافی ہو۔

اقول: محفل میلاد شریف (وغیرہ) معمولات اہل سنت بھی نہ تو شریعت کے منافی ہیں اور نہ ہی بے اصل ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کی اصل شریعت مطہرہ میں موجود ہے (مکمل تفصیل متعلقہ باب میں آرہی ہے) پس یہ عبارات بھی ہماری ہی مؤید ہیں، گکھڑوی صاحب کی نہیں (وھوالمقصود)

معیار دلائل کا اعادہ گکھڑویہ:

اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے اس امر کا ایک بار پھر اعادہ کر کے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں ''کتاب اللہ، سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، اجماع اور قیاس'' لکھا ہے کہ اب ہمیں اپنے ہر قول وفعل کو ان دلائل کی کسوٹی پر پرکھنا ہے جو ان کے موافق ہو وہ حق ہے اور اسی میں نجات وفلاح ہے اور جو ان سے ٹکرائے یا اس کا ثبوت ان سے نہ ہو سکے تو وہ باطل اور مردود ہوگا اور بقول ڈاکٹر اقبال (المتوفی ۱۳۵۷ھ) اسے اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں'' اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 64)

الجواب: صریح احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں 1- مامورات اور 2- منہیات۔ لہٰذا جس طرح کسی امر کے مامور ہونے کے مدعی کے ذمہ صریح دلیل کا لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے منہی عنہ اور ممنوع ہونے کا دعویٰ کرنے والے کے ذمہ بھی صریح دلیل کا پیش کرنا لازم ہے پس آپ نے اپنی اس کتاب کے باب ہفتم میں جو معمولات اہل سنت کو فرداً فرداً ممنوع و مذموم قرار دیا ہے ان میں بھی آپ کا یہی کلیہ چلنا چاہئے کہ جو امر ہمارے ذمہ ہے ہمارے حسب دعویٰ ہم سے اس کی دلیل کا مطالبہ کیا جائے اور آپ کے حسب دعویٰ آپ کے لفظوں میں جس کا ثبوت ان سے نہ ہو سکے تو وہ باطل اور مردود ہو اور بقول ڈاکٹر اقبال اسے:

ع   اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

یا علی مدد

گکھڑوی صاحب کا آخری حربہ اور اس کا دفعیہ:

گکھڑوی صاحب نے اس باب کے آخر میں ''قیاس کے متعلق ایک نفیس اور عمدہ

بحث'' کا عنوان دے کر قارئین کو تأثر تو یہ دیا ہے کہ وہ اس کے تحت مسئلہ قیاس کی کسی علمی گتھی کو سلجھانا چاہتے ہیں مگر اس کا آغاز کرتے ہی وہ انتہائی جوش میں آ کر کئی رنگارنگ باتیں کر گئے اور معمولات اہل سنت (کہ جن کی تردید کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کا باب ہفتم مختص کر رکھا تھا، ان) پر وہ ابھی سے برس پڑے پھر جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے بھی کئی معتقدات و نظریات کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گئے دلائل سے چونکہ انہوں نے تعرض نہیں کیا اس لئے ہم بھی مکمل باحوالہ تفصیلات کو متعلقہ باب پر محمول کرتے ہوئے یہاں صرف بقدر ضرورت ترکی بہ ترکی اور مختصر جوابات پر اکتفاء کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں (واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل)

کیا معمولات اهل سنت کا مأخذ قیاس هے؟

معمولات اہل سنت کے ابطال کی غرض سے گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر سب سے پہلے یہ تمہید باندھی ہے کہ:

''یہ بالکل ٹھیک ہے کہ دین کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی مگر تکمیل دین کا یہ مطلب ہے کہ قواعد و ضوابط اور کلیات دین پورے طور پر مکمل ہو چکے تھے بعد کو پیش آنے والے واقعات اور حوادث کو ان اصول اور کلیات کے تحت درج کرنا اور انہی جزئیات کو کلیات پر منطبق کرنے کا نام قیاس و اجتہاد ہے اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 64)

الجواب أقول: گکھڑوی صاحب اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معمولات اہل سنت کی کذائی صورتیں نئی ہیں اور وہ ایسی جزئیات ہیں جنہیں شرعی کلیات کے تحت درج کرنے کی

ضرورت ہے جب کہ یہ مجتہد کا کام ہے اور یہ بھی اٹل بات ہے کہ اس دور میں مجتہدین ہیں ہی نہیں لہٰذا انہیں کلیات پر منطبق کرنا جس کا دوسرا نام قیاس و اجتہاد ہے، ممکن ہی نہیں ہے پس بذریعہ قیاس ان کا اثبات ناممکن ہوا جب کہ ان کے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص بھی نہیں ہیں اس لئے وہ بدعت مذمومہ سیئہ قرار پائے۔

ثم اقول وباللہ اصول: یہ گنگوہی صاحب کی بنیادی غلطی ہے یا پھر جان بوجھ کر انہوں نے مغالطہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے کیونکہ اجتہاد و قیاس کا تعلق صرف اور صرف غیر منصوص امور سے ہوتا ہے ہر ہر مسئلہ سے نہیں نیز آیات و احادیث کے عموم و اطلاق سے استدلال وہ قیاس ہیں جو حسب اصطلاح وظیفۂ مجتہد مطلق ہے اور اگر ان کی اس بات کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے دین کا مأخذ ہی قیاس و اجتہاد ہے بالفاظ دیگر دین کے اصول چار نہیں رہیں گے بلکہ اس کی ایک ہی اصل قرار پائے گی جو خود گنگوہی تصریحات کی رو سے بھی غلط ہے چنانچہ اسی کتاب کے اسی باب کے آغاز میں نیز ابھی کچھ پہلے اسی صفحہ پر وہ لکھ آئے ہیں کہ: ''دلائل اور براہین کی اصولی چار قسمیں ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس''

نیز زیر بحث عبارت کے ساتھ ہی انہوں نے لکھا ہے کہ:

''ہاں اگر قرآن وحدیث سے کوئی نص مل جائے یا اجماع پر اطلاع ہوجائے تو اس صورت میں قیاس سے رجوع کرنے میں ہرگز تأمل نہیں ہونا چاہئے'' اھ

اقول: اس پر کچھ بحث تھوڑا سا پہلے بھی گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے

مزید لکھا ہے کہ:

''جن مسائل اور امور میں حضرات فقہائے کرام نے اجتہاد و قیاس کیا ہے، ان کے اصول و ضوابط اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں موجود تھے مگر ان کے دواعی و اسباب و محرکات اس وقت رونما نہ ہوئے تھی جب ان مسائل کے اسباب و محرکات مجتہدین کے زمانہ میں پیدا ہوئے تو ان کو قیاس و اجتہاد کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے اپنے قیاس و اجتہاد سے ان کی کڑی نصوص شرعیہ سے جوڑ دی اور جزئیات کو کلیات میں داخل کر دیا۔ بخلاف ان جملہ بدعات کے جن پر آج شدت کے ساتھ بدعت پسند حضرات عامل ہیں (حتی کہ انہوں نے اپنے عمل اور اصرار سے ان کو شعار دین بنا رکھا ہے اور ان بدعات میں شریک نہ ہونے والوں کو وہابی اور خدا معلوم کیا کیا خطابات مرحمت فرماتے ہیں) کیونکہ ان میں سے ہر ایک ایک بدعت کا سبب اور محرک خیر القرون میں موجود تھا مگر ان خود ساختہ بدعات کا اس وقت ہرگز وجود اور رواج نہ تھا۔ لہٰذا ان بدعات کو قیاس و اجتہاد کی مد میں شامل کرنا سراسر بے دینی اور نری جہالت ہے'' اھ بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 65)

الجواب: گکھڑوی صاحب کی اس تقریر کی بنیاد بھی معمولات اہل سنت کا مأخذ قیاس کو قرار دینے پر ہے جو قطعاً غلط ہے اور حق یہ ہے کہ ہمارے معمولات یا تو صریحاً آیات و احادیث سے ثابت ہیں، یا آیات و احادیث کے عموم و اطلاق نیز تعلیمات اسلاف سے یا کم از کم ائمہ احناف کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط سے ثابت ہیں۔ پس گکھڑوی صاحب کا منقولہ بالا آخری جملہ ''حق بہ صاحب حق برسید'' کے طور پر ان کی طرف لوٹا کہ (بتغیر یسیر) ''ان معمولات کو قیاس و اجتہاد کی مد میں شامل کرنا سراسر بے دینی ہے اور نری جہالت ہے'' اسی طرح ان کا بقول خود اسباب و

دواعی اور محرکات کے پائے جانے کے باوجود کسی امر کو اہل خیر القرون کے عمل میں نہ لانے کو ناجائز ہونے کی دلیل بنانا بھی وہی کچھ ہے جو انہوں نے ابھی فرمایا ہے کیونکہ عدم فعل، عدم جواز کی دلیل نہیں۔

اس پر ہمارا سوال یہ بھی ہے کہ گکھڑوی صاحب نے جن مجتہدین کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے جزئیات کو کلیات پر منطبق کر دیا تو اجتہادی مسائل ان کے دور پر ختم ہو گئے یا ان کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا؟ پہلی صورت تو غلط ہے کیونکہ ہر دور میں بہت سے نئے مسائل ضرور ہوتے ہیں پس جب دوسری صورت متعین ہو گئی تو نئے مسائل کے حل کا کیا طریقہ ہوگا جب کہ ان مجتہدین کے پائے کے علماء یقیناً صدیوں سے ناپید ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے مقرر کردہ اصول سے رہنمائی لی جائے گی تو اصول کی بات کرنے کی بجائے بے اصولی سے کام لیتے ہوئے معمولات اہل سنت کو بے دھڑک بدعت سیئہ کیوں اور کس بناء پر کہہ دیا جاتا ہے جب کہ بعینہ معمولات اہل سنت جیسے کئی معمولات خود مانعین کے بھی ہیں جیسے سیرۃ کانفرنسیں وغیرہ تو انہیں کیوں بدعت قرار نہیں دیا جاتا؟ خدارا انصاف۔

ثم اقول : گکھڑوی صاحب نے اپنی اس تقریر میں کم از کم یہ مان لیا ہے کہ ان کے بقول خیر القرون میں موجود اصول وضوابط سے ثابت ہونے والے مسائل کی ہیئت کذائیہ ان ادوار میں نہ ہونے کے باوجود بدعت نہیں۔ پس ان کا اپنی اس کتاب کے باب چہارم میں بار بار ہیئت کذائیہ پر حکم بدعت لگانا ابھی سے باطل قرار پایا۔

رہا ان کا ہمیں ''بدعت پسند'' کے خطاب سے نوازنا؟ تو یہ ان کی خالص گالی ہے جو انہوں نے ہمیں دی ہے کیونکہ بدعت سے مراد اگر وہ امر ہے جسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے تو فی

الحقیقت وہ بدعت نہیں اس صورت میں جائز امر کو بدعت کہہ کر انہوں نے گالی دی۔ اور اگر اس سے مراد وہ امر ہے جس کی قرآن وسنت میں مذمت وارد ہوئی ہے تو اسے کوئی بھی سنی ہرگز ہرگز پسند نہیں کرسکتا۔ پس اس حوالہ سے انہوں نے خلاف واقعہ کو واقعہ قرار دینے کے مرتکب ہوکر شرعاً مذموم امر کو پسند کرنے والا کہہ کر گالی دی ہے جب کہ وہ ہم پر اس الزام کے ثابت کرنے میں بھی قطعاً ناکام رہے ہیں اور ناکام رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رہا ان کا ہمیں بدعات کا عامل نیز بدعات کو شعار دین سمجھنے والا قرار دینا؟ تو اس سب کی بنیاد بھی ان معمولات کے واقعی بدعت ہونے کی صورت میں ہے۔ جس کا اثبات ابھی ان کے ذمہ باقی اور ہمارا واجب الاداء قرض ہے۔ تعجب ہے کہ بنیاد کو ثابت کئے بغیر حکم لگانے میں کیونکر لگ گئے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ ان میں شریک نہ ہونے والوں کو وہابی اور خدا معلوم کیا کیا خطابات مرحمت فرمائے جاتے ہیں؟

تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ معمولات جب شرعاً بدعات ہیں ہی نہیں تو انہیں بلا دلیل بدعات قرار دینا بذات خود بدعت اور ناجائز ہوا جب کہ یہ شیوۂ وہابیت ہے پس یہ خطابات آپ لوگوں کو بلاوجہ اور خلاف واقعہ مرحمت نہیں فرمائے گئے بلکہ قطعاً مطابق واقعہ ہیں۔

البتہ اس پر نئے سرے سے غور فرمائیں کہ ان لفظوں میں آپ اپنے وہابی ہونے کا عندیہ دے رہے ہیں جب کہ اپنی اسی کتاب کے ٹائیٹل پیج پر وہابیہ کو بے ایمان لکھ آئے ہیں چنانچہ آپ کے لفظ ہیں ''اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر علماء دیوبند پکے حنفی اور سنی مسلمان

ہیں ان کو وہابی وغیرہ کہنا سراسر بہتان خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے"۔

پس اپنے ان دونوں بیانات کو ملا کر نتیجہ خود ہی بیان کر دیں کیونکہ

ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(اس کی مزید مع مالہ وما علیہ بحث وتفصیل ہماری اس کتاب کے جلد اول میں دیکھی جا سکتی ہے)

مجمع حشر میں چھپنا ہے محال
میں نے لکھ رکھا ہے حلیہ تیرا

معمولات اہل سنت پر تبصرہ کا محاسبہ:

گکھڑوی صاحب نے اس مقام پر بعض معمولات اہل سنت کا نام لے کر بھی تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ ان کے لفظوں میں حسب ذیل ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مثلاً میلاد منانے کا سبب اس وقت موجود تھا کسی نے آپ کا یوم ولادت نہ منایا جیسے آج منایا جاتا ہے اسی طرح آپ کی دو ازواج، آپ کے چچا، آپ کی تین صاحبزادیاں اور جملہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے مگر نہ تو آپ نے ان کا تیجہ کیا نہ ساتواں نہ دسواں اور نہ چالیس واں۔ نہ ان کی قبروں پر میلا لگایا اور نہ عرس کیا نہ چراغ جلائے نہ اوپر چادریں ڈالیں نہ پھول چڑھائے نہ گنبد بنوائے آپ کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام نے ان میں سے کوئی کام نہ کیا نہ تابعین اور تبع تابعین نے ایسا کیا سب کے اسباب اور دواعی موجود تھی کوئی مانع بھی نہ تھا۔ ایصال ثواب کیا جاتا تھا مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھا جاتا تھا ختنے ہوتے تھے مگر آج کل کی بدعات اور رسوم نہ ہوتی تھیں۔ شادیاں ہوتی تھیں مگر نہ تو سہرے باندھے جاتے تھے اور نہ پیسے وغیرہ

پھینکے جاتے تھے اسی طرح دیگر خرافات کا وجود اس وقت نہ تھا۔ جنازے ہوتے تھے مگر جنازہ کے ساتھ جہر سے نہ تو کلمہ پڑھا جاتا تھا اور نہ کل حی یموت کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ نماز جنازہ تو پڑھی جاتی تھی مگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد مل کر دعا نہ مانگی جاتی تھی۔ دفن کرنے کے بعد تلقین تو ہوتی تھی مگر قبر پر اذان نہیں دی جاتی تھی۔ مردوں کو کفن تو پہناتے تھے مگر الفی اور کفنی لکھنے کا دستور نہ تھا۔ ذکر بھی کیا کرتے تھے اور درود شریف بھی پڑھتے تھے مگر مل کر پڑھنے کا ان میں ہرگز رواج نہ تھا ان میں سے ایک ایک کا سبب خیر القرون میں موجود تھا مگر یہ بدعایت نہ ہوتی تھیں، تو پھر ان میں قیاس واجتہاد کا کیا مطلب ہے؟ اسباب ودواعی اور محرکات اس وقت موجود تھے۔ نہ قیاس ہوسکتا ہے اور نہ یہ بدعت حسنہ کا درجہ پاسکتے ہیں یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیئہ کی مد میں داخل ہیں اس میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں: اور اگر آپ کے زمانہ میں سب موجود ہو لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہو تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو تو ایسا کام کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے اور وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے'' اھ ملخصا (نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار ص 127) بلفظہ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 65، 66، 67)

الجواب: ان تمام مسائل کی تفصیلی بحثیں ان شاء اللہ تعالیٰ باب ہفتم کے جواب میں آرہی ہیں سردست بقدر ضرورت چند جملے پیش خدمت ہیں فاقول وباللہ التوفیق۔

اولا: ان سب کی بنیاد گکھڑوی صاحب نے اس کلیہ پر رکھی ہے کہ محرک، داعی اور سبب کے باوجود جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اسی طرح صحابہ وتابعین واتباع رضی اللہ عنہم سے بھی

ثابت نہ ہو وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے جب کہ اس کلیہ کے ماخذ کے طور پر انہوں نے مجالس الابرار نامی کتاب کو پیش کیا ہے جو قطعاً ایک غیر معتبر اور بے اصل کتاب ہے (جس پر تفصیلی بحث ابھی کچھ پہلے گزری ہے اسے اُدھر ملاحظہ فرمائیں) پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی ساری عمارت پیوند خاک ہوگئی (وھو المقصود)

واضح رہے کہ سابق کی طرح اس مقام پر بھی گکھڑوی صاحب نے ''نفائس الازہار'' کو ''نفائس الاظہار'' لکھا ہے جس سے عدم غلط کتاب کا احتمال قوی ہو جاتا ہے

ثانیا: ایک ہوتا ہے کسی امر کا نفیاً اثباتاً کسی طرح سے مذکور نہ ہونا۔ اسے عدم ذکر اور عدم روایت کہا جاتا ہے اور دوسرا ہوتا ہے کسی امر کے کسی روایت میں نہ کرنے کا مذکور ہونا کہ فلاں کام اس دور میں نہیں کیا جاتا تھا جیسے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نمازوں میں اذان واقامت نہ کہلائی (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن النسائی، مشکوٰۃ ص125، 126، 127 عن جابر بن سمرۃ وابن عمر وابن عباس وجابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم)

اسے ذکر عدم اور فعل عدم کہا جاتا ہے اور اصول میں یہ امر مبرہن ہے کہ عدم ذکر اور عدم فعل، ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ ذکر عدم اور فعل عدم ناجائز ہونے کی دلیل ہوتا ہے پس گکھڑوی صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ وہی عدم فعل کو عدم جواز کی دلیل بنا کر پرانی راگنی الاپی ہے نیز مزید یہ کہ فعل عدم اور ذکر عدم کا دعویٰ کیا ہے جب کہ دلیل کا پیش کرنا دعویٰ کرنے والے ہی کے ذمہ ہوتا ہے پس جس ترتیب سے انہوں نے ہر ہر مسئلہ کے متعلق نہ کرنے کے دعوے کئے ہیں اسی کے مطابق وہ احادیث صحیحہ سے ان کا ثبوت بھی پیش کریں ورنہ اس کے بغیر یہ سب ان کی خانہ ساز، ذاتی اور ایجاد بندہ قسم کا اقدام ہو کر ان کے لفظوں میں کذب وافتراء اور

سفید جھوٹ متصور ہوگا۔

ثالثا: ستم بالائے ستم یہ بھی ہے کہ بیشتر وہ کام جن کے مرتکب خود گھڑوی صاحب کے دیوبندی عوام ہیں انہیں بھی انہوں نے ہمارے سر منڈھ دیا اور ہمیں ہی ان کا ذمہ دار ٹھہرا دیا ہے ورنہ وہ یا کوئی منصف مزاج دیوبندی قرآن پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ختنوں کی محفل ان کے ہاں نہیں لگتیں اور کیا شادی کی رسوم ان کے ہاں نہیں ہوتیں اور کیا وہ اپنے دیوبندی دولہوں کو سہرے نہیں باندھتے؟ خدارا انصاف!

پر لطف بات یہ بھی ہے کہ اس دور میں نکاح درج کر کے ہرے رنگ کے قائد اعظم کو وصول کرنے والے ہر جگہ اکثر دیوبندی ہی ہیں جو ''قاضی'' کہلاتے ہیں گکھڑوی صاحب نے ان کو کچھ بھی سخت سست نہیں کہا۔ شاید یہ کام عین سنت ہوگا؟

ع جلا کر راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

باقی اگلی ٹرن میں ان شاء اللہ تعالیٰ

دیگر روایات سے جواب:

اس مقام پر مجالس الابرار کی منقولہ بالا عبارت کی تائید میں گکھڑوی صاحب نے بعض روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن سے جوابات حسب ذیل ہیں۔

روایت ابن مسعود ﷜ سے جواب: اس سلسلہ میں الاعتصام کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب نے اولا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول پیش کیا ہے اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور نئی نئی بدعات مت ایجاد کرو کیونکہ تم کفایت کیے گئے ہو (راہ سنت ص 67)

جس کا جواب یہ ہے کہ

اولاً: اس کی سند پیش کی جائے۔

ثانیاً: اس کا پس منظر بتایا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ بات کس تناظر میں فرمائی۔

ثالثاً: اس میں ارتکاب بدعات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جو ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں جو امر شرعاً بدعت ہو وہ سخت مذموم ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

رابعاً: اس کے کسی لفظ کا یہ معنیٰ نہیں کہ جس امر کا سبب، محرک اور داعی موجود ہو اور اس پر عمل نہ کیا گیا ہو تو اسے اپنانا بدعت ہے جب کہ گکھڑوی صاحب نے ثابت بھی اسی کو کرنا تھا۔

روایت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جواب: الاعتصام ہی کے حوالہ سے گکھڑوی صاحب نے اس سلسلہ کی دوسری روایت یہ پیش کی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۶ھ) نے ارشاد فرمایا کہ **کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا** ہر وہ عبادت جس کو حضرات صحابہ کرام نے نہیں کیا سو تم بھی اس کو مت کرو اھ ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 67)

اقول و بر تقدیر تسلیم: اس کے بھی وہی جوابات ہیں جو روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تحت گزرے ہیں مزید یہ کہ ان دونوں روایتوں کا مفاد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلاف ورزی جائز نہیں اور ظاہر ہے یہ اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق ان کا صریح قول یا فعل منقول و مروی ہو جب کہ صحابہ احکام کے مظہر ہیں مثبت نہیں کہ شارع ہونا ان کا منصب نہیں پس یہ سنت کے خلاف ورزی پر منتج ہوا جو ہمارے خلاف نہیں بلکہ قطعی طور پر ہمارے عین مطابق ہے۔

الجواب الجامع: اگر ان روایتوں کا یہ معنی لیا جائے کہ جو کچھ صحابہ کرام نے نہ کیا ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے تو اولاً سب سے پہلے اس کی زد میں تابعین اور اتباع تابعین آئیں گے جو گکھڑوی اصول کے قطعاً منافی ہے کیونکہ شریعت ان کے نزدیک اہل قرون ثلاثہ میں منحصر ہے جس کا صرف ۳/۱ حصہ صحابہ کرام ہیں اور ۳/۲ بعد والے دو طبقوں کے حضرات ہیں۔ ثانیاً: جو امور صحابہ کرام سے بعینہ اور صریحاً ثابت نہیں اور گکھڑوی صاحب کی جماعت ان پر عمل پیرا ہے جیسے عیدین کی نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعا، نماز میں درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کریم کے ساتھ سیدنا کے الفاظ بڑھانا اور سالانہ سیرۃ کانفرسیں وغیرہا جن کی تفصیل حدیث خیر القرون کی ابحاث میں گزر چکا ہے اب یا تو گکھڑوی صاحب ان کا حسب اصول خود ثبوت مہیا کریں گے یا پھر وہ ان سب سے اپنی جماعت کو توبہ کرا کر تجدید ایمان و تجدید نکاح کرائیں گے۔

من نہ گویم ایں کن و آں کن
مصلحت بین و کار آسان بکن

قول ابن کثیر سے جواب: اس سلسلہ کے آخری دلیل گکھڑوی صاحب نے حافظ ابن کثیر کے اس قول کو بنا کر پیش کیا ہے: **واما اهل السنة والجماعة فيقولون في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله تعالى عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه انهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها**

اور حافظ ابن کثیر نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سنت و جماعت یہ فرماتے ہیں

کہ جو قول اور فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے کیونکہ اگر وہ کام اچھا ہوتا تو ضرور حضرات صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کو کرتے۔ اس لئے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خصلت کو تشنہ عمل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر کام میں گوئے سبقت لے گئے ہیں اھ

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 67، 68 بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج 4، 156)

اقول: یہ بھی گکھڑوی صاحب کو کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ

اولا: حافظ ابن کثیر خود ان کے مقرر کردہ معیار دلائل سے ہٹ کر ہیں۔

ثانیا: وہ ابن تیمیہ کے عقائد پر مر مٹنے والے ان کے جانثار ساتھی اور شاگرد ہیں پس اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جیسے گکھڑوی صاحب کہیں کہ فلاں مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ ان کے فلاں فلاں مشائخ یونہی فرمایا کرتے تھے جس طرح مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی مفتی اول مدرسہ دیوبند نے دعا بعد نماز عیدین کا ثبوت دیتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کا حوالہ حدیث خیر القرون کی بحث میں گزر چکا ہے۔

ثالثا: حافظ ابن کثیر کا یہ قول خود گکھڑوی صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ اور ان کی جماعت بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو صحابہ کرام سے قطعاً ثابت نہیں جن کی ایک جامع فہرست حدیث خیر القرون کی بحث میں گزر چکی ہے۔

اقراریات گکھڑوی: اس مقام پر گکھڑوی صاحب نے کچھ باتیں نہایت سادگی کے ساتھ از خود تسلیم بھی کی ہیں جن سے ان کا وہ واویلا بے سود قرار پاتا ہے جو انہوں نے کتاب ہذا کے باب ہفتم میں کیا ہے چنانچہ کھانا سامنے رکھ کر پڑھنے پر اعتراض کرنے کے ضمن میں انہوں

نے لکھا ہے ''تبرک کے لئے کھانے پر کچھ پڑھنا محل نزاع سے بالکل خارج ہے'' (راہ سنت ص 66) جس سے انہوں نے یہ مان لیا ہے کہ اگر کھانا سامنے رکھ کر اس پر اس نیت سے پڑھا جائے کہ اس میں برکت آجائے تو اس میں انہیں کچھ نزاع نہیں ہے جب کہ ہم بھی تبرک ہی کے لئے کھانے پر پڑھتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کھانا تو پہلے بھی موجود ہوتا ہے مگر ہم اس پر آیات رحمت وغیرھا کے پڑھنے کے بعد ہی اسے ''تبرک'' کے نام سے یاد کرتے ہیں ہم کھانا اس لئے سامنے نہیں رکھتے کہ اس کے بغیر ختم شریف ہی جائز نہ ہو (کما صرح بہ الشیخ الاسلام اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) گکھڑوی صاحب پھر بھی نہ مانیں تو ہمارے کسی ذمہ دار عالم سے اس کا حوالہ دکھائیں۔ تبرک کے طور پر سامنے رکھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عموماً اس تھوڑے سے کھانے کو جس پر پڑھا گیا ہو ہمارے لوگ اسے دیگ یا دیگچے وغیرہ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ کلمات خیر کی برکت سارے کھانے میں شامل ہو جائے پس اب گکھڑوی صاحب اور ان کی جماعت کو چاہئے کہ اس مسلہ پر سر پھٹول کر بجائے تبرک ہی کی غرض سے کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھ لیا کریں یا کم از کم یہ کہ اس پر نزاع سے کلی پرہیز کریں۔

۲۔ گکھڑوی صاحب نے اختتامیہ میں اپنی سابقہ تقریر کو دہراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

آج کل عموماً جتنی بھی بدعات رائج ہیں وہ بیشتر وہی ہیں جن کے اسباب اور محرکات اس وقت موجود تھے الخ (راہ سنت ص 68)

اقول: اسباب اور محرکات کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں ''بیشتر وہی ہیں'' کہہ کر گکھڑوی صاحب نے کچھ کا اس سے استثناء کر دیا ہے جس سے ان کا محرکات و اسباب والا وہ کلیہ بے کار محض ہو کر رہ گیا اور اس سے ان کا طلسم ٹوٹ گیا۔

معمولات اہل سنت کو بدعات کے نام سے یاد کرنے کا رد بلیغ بھی ہو چکا ہے (والحمد للہ علی ذلک) گکھڑوی صاحب کا انہیں باربار دہرانا کتاب کا حجم بڑھانے کا سوا کچھ نہیں ہے۔

قال الگکھڑوی:

الٰہی خیر ہو کہ فتنہ آخر زماں آیا
رہے ایمان و دین باقی کہ وقت امتحاں آیا

ملاحظہ ہو (راہ سنت ص 68 باب 1 آخری سطر)

یقول السعیدی:

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً وہابیت کی وباء سے

فقط

(بفضلہ تعالیٰ راہ سنت کے باب اول کا جواب مکمل ہوا اور اس طرح سے مصباح سنت کا حصہ دوم بھی پایہ تکمیل کو پہونچا۔ اس کے بعد اس کے باب دوم کا جواب اور مصباح سنت کا حصہ سوم آیا چاہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ)

وقد وقع الفراغ منه فی ۷ ربیع الاخر ۱٤۲۵ھ۔

موافقاً ۲۷ مایو ۲۰۰٤ء بیوم الخمیس

البرهان القاطع فی الرد علی المنهاج الواضح

المعروف بہ

مصباحِ سنت

بجواب

راہِ سنت

﴿ حصہ سوم ﴾

ان شاء اللہ تعالیٰ جلد منظر عام پر آرہی ہے

ناشر کاظمی کتب خانہ رحیم یار خان

نوٹ: اہل علم حضرات اپنی آراء سے ادارہ کو مطلع فرمائیں

يا الله جل جلاله

ترجمۂ قرآن

یا رسول اللہ ﷺ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلی رحمۃ اللہ علیہ

کنز الایمان شریف

☆ قرآن پاک کا صحیح اور سب سے مقبول ترجمہ۔

☆ سلیس و رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن کے قریب تر۔

☆ یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی یعنی لفظ و محاورہ کا حسین امتزاج۔

☆ عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک۔

☆ آیات کی سیاق و سباق کے اعتبار سے الفاظ کے موزوں ترین معانی کا انتخاب۔

☆ قرآن پاک کے اصل منشاء مراد کو بیان کرنے والا۔

☆ بارگاہ الٰہی کے تقدس اور احترام نبوت کا کماحقہ پاسدار۔

☆ مسلک اہل سنت و جماعت اور سلف صالحین کا سچا ترجمان۔

☆ ۔بے شمار خوبیوں سے مالا مال واحد مہذب ترجمہ قرآن ''کنز الایمان''۔

☆ ایک عادل کے لئے قرآن پاک کے اردو ترجمہ کنز الایمان کے انتخاب کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

☆ اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے تعصب کی عینک اتار کر کنز الایمان کا ہی مطالعہ کیجئے۔

ترجمے والا قرآن پاک خریدتے وقت کنز الایمان ہی خرید کریں